ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

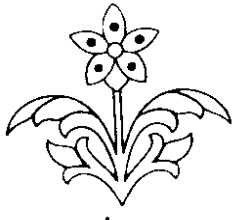

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲- ایمپریس روڈ - لاہور

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

شمارہ ۶	اگست ۱۹۸۵ء بمطابق ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ	جلد ۴

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

فون ۸۵۲۶۱۱

مضمون نگار حضرات کی آراء سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

فہرس

- حرفِ اوّل ———— ۳
  ادارہ
- حکم و عبر ———— ۵
  موجودہ شیعہ ایجی ٹیشن اور اس کا پس منظر
  اہلِ سنت کے لیے ایک لمحہ فکریہ!
  مولانا سعید الرحمٰن علوی
- الۗمۗ (سورۂ شوریٰ) ———— ۲۰
  ڈاکٹر اسرار احمد
- ہدایت القرآن (۲) ———— ۲۷
  مولانا محمد تقی امینی
- قرآن مجید اور رمضان المبارک کا ربط و تعلق ———— ۳۴
  ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
- ربوٰا ———— ۴۴
  منصور احمد بٹلا
- تبصرۂ کتب ———— ۷۱
  ادارہ

سالانہ زرِ تعاون ۔/۳۰ روپے　　　فی شمارہ ۔/۳ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

زیرِ نظر شمارے میں محترم منصور احمد بٹلا صاحب کا ایک مقالہ بعنوان "ربوا" شائع کیا جا رہا ہے۔ قارئین حکمتِ قرآن محترم بٹلا صاحب سے بخوبی متعارف ہیں — اس سے قبل موصوف کا ایک مفصل مقالہ "مطالعۂ فطرت اور ایمان" کے عنوان سے حکمتِ قرآن کی اپریل ۸۲ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے — بٹلا صاحب کا یہ تازہ مقالہ ایک نہایت اہم اور نازک مسئلے سے متعلق ہے۔ ضروری نہیں کہ اس مقالے کے تمام مندرجات سے ادارہ بالکلیہ متفق ہو۔ لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اس میں ایسے نکات اٹھائے ہیں جو غور طلب اور گہرے فکر کے متقاضی ہیں — اس وقت جبکہ پورا عالم اسلام بالخصوص پاکستان انتہائی نازک حالات سے گذر رہا ہے اور اسلامائزیشن کے سلسلے میں بہت کچھ شور و غوغا سننے میں آتا ہے، جہاں اور بہت سے مسائل قابلِ توجہ ہیں، وہاں معاشی مسئلہ خاص طور پر الجھاؤ کا شکار ہے ان حالات میں اہلِ علم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ٹھوس اور سنجیدہ علمی انداز میں ان مسائل کا حل سوچیں اور صحیح سمت میں امت کی رہنمائی کریں۔ اس مقالے کی اشاعت کا محرک یہی ہے اور ہمیں اُمید ہے کہ اہلِ علم اسکا بنظرِ غائر جائزہ لے کر اپنے ذمہ دارانہ تبصرہ سے ہمیں آگاہ فرمائیں گے۔ جنہیں بصد شکریہ شاملِ اشاعت کیا جائے گا۔

فہمِ قرآن

اور

خصوصاً قرآن کے منضبط اور مربوط مطالعہ کے ضمن میں ——

ڈاکٹر اسرار احمد

کی نشری (ریڈیو) تقاریر پر مبنی ایک اہم تصنیف

قرآن مجید کی سورتوں کا اجمالی تجزیہ

(سورہ الفاتحہ تا سورہ الکہف)

ضرور مطالعہ کیجیے

◎

کتاب کا دوسرا ایڈیشن حال ہی میں چھپ کر آیا ہے

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ کتابت ○ دیدہ زیب طباعت

ہدیہ : ۱۰ روپے

حکم و عبر

مولانا سعید الرحمٰن علوی

موجودہ شیعہ ایجی ٹیشن اور اس کا پس منظر

اہلِ سُنّت کے لیے ایک لمحۂ فکریہ!

ہمارے ایک کرم فرما اور معاون و خریدار نے کراچی سے ایک خط بھیجا ہے جس کے ساتھ چند کتابوں کے مختلف صفحات کے فوٹو ارسال کیے ہیں اور اس پر شدید احتجاج کیا ہے کہ ہمارے پیارے نظریاتی ملک میں اس قسم کا لٹریچر چھپ رہا ہے انہوں نے ادارہ کے نگران اعلیٰ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ ذمہ دارانِ مملکت کو اس طرف توجہ دلائی جائے تاکہ اس قسم کا لٹریچر چھپ نہ سکے اور اہل وطن کے ذہن مسموم ہونے سے بچ جائیں۔

جن کتابوں کے فوٹو ارسال کیے گئے ہیں، ان کے نام اور ان کے مصنفین کے نام یہ ہیں۔

- تاریخ اسلام جلد سوم از ثقۃ الاسلام الحاج علامہ محمد بشیر انصاری
- دیوان آشکار معہ اُردو ترجمہ جلد دوم
- بیعت علی مولفہ و مرتبہ محمد وصی خان
- نقش خلافت مع خطبہ غدیر مؤلفہ مورخ یگانہ الحاج علامہ السید نجم الحسن قبلہ کراروی پشاور
- قول مقبول فی اثبات وحدۃ بنت الرسول از قلم وکیل آل محمد حجۃ الاسلام مولانا غلام حسین نجفی فاضل عراق
- نفس رسول (جلد دوم) معروف بہ قرآن ناطق (حضرت علی علیہ السلام کی مفصل سوانح عمری)
- کلید مناظرہ مؤلفہ سید برکت علی شاہ صاحب وزیر آبادی

یہ کتابیں لاہور، حیدر آباد سندھ اور کراچی کے مختلف ناشر صاحبان نے چھاپی ہیں اور ان کی اشاعت و تشہیر کا خوب خوب اہتمام کیا ہے۔

ان کتابوں میں کیا ہے؟ جس کی بنا پر ایک مخلص مسلمان کے دل پر چوٹ پڑی اور اسے یہ سردردی مول لینا پڑی۔ موقعہ نہیں کہ وہ سب کچھ نقل کیا جائے تاہم چند حوالے ضرور ملاحظہ کریں۔

- عائشہ اور حفصہ نے نبی کریم علیہ السلام کو زہر دینے کا منصوبہ بنایا تاکہ یہ کام کر کے خلافت پر قابض ہو جائیں (مفہوم)
- میں احمد بغیر میم کے (احد) ہوں سن لو کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت مقرر ہے جس میں کسی ملک مقرب اور نبی مکرم کی گنجائش نہیں (سچل سرمست کا مجموعہ کلام جس میں انہوں نے حدیث نبوی کو اپنے اوپر چسپاں کیا اور احمد سے احد بنے)
- حضرت عمرؓ نے ضرب سے حضرت فاطمہؓ کی پسلی توڑ دی، ان کا حمل ساقط ہو گیا
- دس صحابہ کرامؓ آپ کی رحلت کے بعد آپ کی محبت و ارشادات پر قائم رہے
- حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے منکر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے، انہیں نبی کریم اور حضرت علیؓ خود جہنم میں جھونکیں گے۔
- حضرت عمرؓ نے اپنے دیرینہ سیاسی منصوبہ کے تحت خدا، رسول، جبریل، قرآن اور دیانت و شرافت کی مخالفت کر کے منصب خلافت پر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔
- خلافت مل جانے کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کا ضمیر مطمئن نہ تھا کہ ان کو یقین تھا کہ یہ محض حضرت علیؓ کا حق ہے۔
- حضرت عمرؓ فرماتے کہ رسولِ خدا زندگی کے آخری لمحات میں باطل کی طرف جھک گئے۔
- حضرت عثمانؓ نے اپنی بیوی ام کلثوم کو قتل کیا۔ حتیٰ کہ اپنی بیوی کے مردہ سے ہم بستری کی
- سب سے بڑا تقیہ باز ابوبکر تھا۔
- سورۂ فرقان کی آیت ۳۰ بتاتی ہے کہ قرآن سے مراد حضرت علی ہیں جو قرآن ناطق ہے۔
- بسم اللہ کا پہلا حرف ب ہے اور اس کا نقطہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ذات ہے۔

ہم نے اپنے محترم کرم فرما کے ارسال کردہ اوراق میں سے چند حوالے ہی دیئے ہیں اور وہ بھی اسطرح کہ پوری دیانت داری سے حاصل مدعا اور مفہوم عرض کر دیا ہے (اصل محفوظ ہیں بوقت ضرورت ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں) اگر سبھی کچھ نقل کریں یا اس انداز کا سارا سرمایہ سامنے لائیں تو بات بہت بڑھ جائے گی۔ اس لیے تفصیلات کو چھوڑ کر ہم سب سے پہلے تو اس کرم فرما کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ان باتوں سے ہمیں مطلع کیا۔ ان کے جذبات بڑے قابل قدر ہیں اگر معاشرہ میں کچھ بھی ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو شاید جس الجھن کا ہم شکار ہیں، اس سے ہمیں نجات مل جائے۔

امتِ مسلمہ کا المیہ آج کے دور میں کم از کم ہمارے یہاں امت کا جو المیہ ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے

بڑے ہوں یا چھوٹے، مرد ہوں یا عورتیں، ضروریاتِ دین، اعمال و عبادات، اور بنیادی دینی مسائل تک سے ناواقف ہیں دشمنانِ دینِ اسلام چاہے وہ مدعیان نبوت ہوں اور ان کے پیروکار ہوں، یا منکرین سنت، دشمنان صحابہ و قائلین تحریفِ قرآن ہوں یا کوئی انمیں سے ہر ایک اپنے خود ساختہ اور مزعومہ مذہب و روایات کے معاملہ میں اتنا پختہ ہوتا ہے کہ الامان ـــ ایسے طبقات کا ایک عام بچہ، اپنی روایات معتقدات وغیرہ کے معاملہ میں اتنا حساس و ہوشیار ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں کے دیندار گھرانوں کے بڑی عمر کے افراد ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس فقیر کے شہر کے ایک نامور عالم مولانا ظہور احمد بگوی مرحوم فرماتے تھے کہ غریب سنی "سن من" ہو کر رہ گئے۔ اس کی وجہ جو ہماری سمجھ میں آئی وہ یہ ہے کہ والدین اور اساتذہ جو بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ادارے ہیں وہ خود ہی حقائق سے ناآشنا ہیں تو لبقول کے

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جسکی چند مثالیں ہم اپنی ان کتابوں سے پیش کرتے ہیں جو ہمارے تدریسی نصاب کا حصہ ہیں۔ انمیں وہ کتابیں بھی ہیں جو قدیم مدارس میں زیر درس ہیں تو وہ کتابیں بھی ہیں جو جدید تعلیم گاہوں میں داخل نصاب ہیں۔ قدیم مدارس میں جو کتب پڑھائی جا رہی ہیں انمیں مفید الطالبین اور نفحۃ الیمن تو ادب عربی کی کتابیں ہیں اور مختصر المعانی اور شرح العقائد معانی و کلام (عقائد) کی کتابیں ہیں۔

مفید الطالبین کے صـ۷۱ پر شیر، بھیڑیے اور لومڑی کے شکار وغیرہ کا قصہ ہے اور اسمیں لومڑی کو ابامعاویۃ لکھا گیا، ہمارے اساتذہ اسے پڑھاتے ہیں، طلبہ پڑھتے ہیں اور کوئی نہیں سوچتا کہ دشمنانِ صحابہؓ نے کاتب وحی، خال المسلمین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام کس دیدہ دلیری سے ایک عیار و فریبی جانور کے لیے استعمال کیا؟

نفحۃ الیمن میں ایک حکایت ہے کہ ایک صاحب نے دوسرے کو گندم بھیجی جو پرانی تھی، جنہیں بھیجی گئی وہ اغلبا دشمنانِ صحابہ کے گروہ سے متعلق تھے انہوں نے واپس کر دی، تو بھیجنے والے نے بار دگر جو گندم بھیجی اسمیں مٹی کی آمیزش تھی۔ اب سنیں عیار دشمن صحابی نے شکریہ کی رسید میں یہ شعر لکھا

رفضناه عتيقا وارتضينا به۔ اذجاء وهو ابو تراب

ہم نے عتیق کو تو رد کر دیا۔ اور ابوتراب کو پسند کر لیا

شاعرانہ حرکت دیکھیں کہ گندم کی رسید میں اپنی بد باطنی اور خرابی عقیدہ کا کس طرح ذکر کر دیا کہ عتیق جو لقب ہے خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، اسکو لکھ کر کہا کہ ہم نے انہیں رد کر دیا اور

ابوتراب جو کنیت ہے خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، اس کا ذکر کرکے کہا کہ ہم نے اسے پسند کرلیا۔

مختصر المعانی میں احوال المسند الیہ ص ۷۵ پر ایک مثال ذکر کی گئی دکب علی وھوب معاویۃ ہے اور بقول مصنف معاویۃ میں عوایۃ الکلب کا مفہوم ہے۔ یہ مثال نہایت درجہ گستاخانہ اور ظالمانہ ہے چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختصر المعانی کے دشمن صحابہ مؤلف تفتازانی پر اپنے حاشیہ میں سخت تنقید کی اور اس حرکت کو سخت گستاخانہ قرار دیا حتیٰ کہ لکھا کہ اگر معاویہ سے کوئی عام فرد بھی مراد ہے تب بھی یہ مثال موہم گستاخی ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

اور اب سنیں کلام وعقائد کی کتاب شرح عقائد کا معاملہ جس کے مؤلف یہی تفتازانی ہیں، ان سطور کے راقم نے مولانا مفتی محمود خلد آشیانی سے سنا کہ مجھے شبہ نہیں یقین ہے کہ یہ شخص رافضی ہے اس کی کتاب عقائد کے باب میں زیر درس ہے اور اس میں بقول مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ خالص تاریخی واقعہ کربلا کو عقیدہ کا "واقعہ" بنا کر یزید اس کے "اعوان وانصار" پر لعنت وتبرا کیا گیا حالانکہ لعنت کا معاملہ آسان نہیں حدیث میں اس کے انجام سے ڈرایا گیا۔

یہ تو حال تھا درس نظامی کی کتب کا، اب سنیں حال ان مدارس کا جو جدید کہلاتے ہیں۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن نیم سرکاری ادارہ ہے سنی طلباء برائے جماعت نہم کے لیے اسلامیات لازمی نامی کتاب اس فاؤنڈیشن نے چھاپی ص ۱۰۲ سے ص ۱۰۵ تک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے لیکن دامادی رسول اور ذوالنورین کا محترم لقب ندارد۔ جبکہ اسی کتاب کے ص ۱۰۶، ص ۱۰۷ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر میں دامادی رسول وغیرہ سب باتوں کا ذکر ہے۔

شیخ نیاز احمد ناشر لاہور کا ادارہ سکہ بند دشمن صحابہ کا ادارہ ہے، چوتھی جماعت کے لیے معاشرتی علوم اس ادارہ سے چھپی دو ڈاکٹر عبدالعزیز اور سعید الدین احمد نے اسے مرتب کیا ص ۱۷ تا ص ۳۴ پر اصحاب ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تذکرے ہیں لیکن ان میں سے دو اول الذکر کے خسر نبی ہونے اور تیسرے کے داماد رسول ہونے کا اشارہ تک نہیں جبکہ ص ۳۵ پر حضرت علی کو علیہ السلام لکھ کر ان کی دامادی کا ذکر کیا۔ حضرت فاطمہ "علیہا السلام" کے شوہر ہونے کی حیثیت بتائی اور حضرت حسن وحسین "علیہما السلام" کے والد ہونے تک کا اظہار وذکر کیا۔

ایک ایرانی ادیب سعید نفیسی کا مضمون منشی فاضل کے نصاب میں داخل ہے۔ عنوان ہے "طاق کسری پس از ہزار سال" اس میں اس دشمن صحابہ نے جس طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان کی توہین وتحقیر کی اسکا ذکر

مشکل ہے۔

مصر کے رسوائے زمانہ ملحد ادیب طٰہٰ حسین کی کتاب الوعد الحق ہے اسکا اردو ترجمہ معراج محمد بارق نام کے کسی صاحب نے "خدائی وعدہ" کے عنوان سے کیا اور اسے چھاپا کراچی کے مشہور ادارہ نور محمد اصح المطابع نے جسکا کچھ حصہ بی۔ اے کے عربی نصاب میں یہ شامل ہے صحابی بن صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کاندھے پر تلوار رکھ کر خلیفہ ثالث راشد ذوالنورین مکرم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر ہو کر مرنے کا ذکر ہے۔

اور اب آیئے امامیہ حضرات کی دینیات کیطرف۔ اسمیں انہوں نے اپنے اختلافی عقائد کو جس بیباکی اور عزم وجزم کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے لیے درج ذیل تین حوالے کافی ہیں۔

۱۔ "نبی کے بعد بارہ اماموں نے دین کو باقی رکھا۔ بارہویں امام پردۂ غیب میں ہیں بارہ اماموں کا رسول اکرمؐ نے بتایا اور ہم نے انہیں معجزات کے ذریعہ پہچانا چودہ معصومین میں بارہ امام اور حضرت محمدؐ و حضرت فاطمہؑ شامل ہیں۔ جبکہ پنجتن پاک حضرت محمدؐ، علیؓ، فاطمہؓ حسنؓ و حسینؓ ہیں۔ خمس کے دو حصوں میں ایک حصہ امام علیہ السلام کا ہوتا ہے۔ رسول یا امام کی اجازت سے لڑی جانے والی لڑائی جہاد ہے"

(امامیہ دینیات درجہ اول ادارہ تنظیم المکاتب پاکستان کراچی)

۲۔ "اصول دین پانچ ہیں توحید، عدل، نبوت، امامت، قیامت، ان کے ماننے سے آدمی مومن ہوتا ہے۔ نبوت و امامت کے ذریعہ اعمال بجالانے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

امام کے لیے معصوم ہونا ایسے ہی ضروری ہے جیسے نبی کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے۔ امام بھی نبی کی طرح بچپن ہی سے ہر بات کے عالم ہوتے ہیں، امام بارہ ہیں انہیں اللہ نے ہمارے رسول کا خلیفہ بنایا اور یہی شریعت کے محافظ مقرر ہوئے ہیں۔ بارہوں امام آخری امام ہیں وہ زندہ ہیں، اور غیب، ان کے زمانہ غیبت میں ہمارے علماء امام غیب کی نیابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اماموں کو معجزوں سے نوازا۔ قرآن کا علم صرف نبی اور اہل بیت کے پاس ہے۔ عزاداری حسین کا سلسلہ ہمارے اللہ نے شروع کیا اسمیں مجلس، ماتم جلوس وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ خاک کربلا پر سجدہ کرنے میں زیادہ ثواب ہے شیعہ حضرات کربلا کی مٹی اپنے ساتھ رکھتے ہیں" (امامیہ دینیات درجہ دوم)

۳۔ چھٹے امام جعفر صادق اور سہلول کے مقابلہ میں فرضی قصوں کی بنا پر امام الائمہ حضرت امام

ابوحنیفہؒ کی تحقیر و توہین۔ حضور علیہ السلام نے نام بنام بارہ خلیفوں کا ذکر کیا۔ مشہور حدیث انی تارك فیکم الثقلین میں تحریف کرکے سنتی کی جگہ عترتی کیا گیا اور پڑھایا گیا حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے حق میں قرآن کی بہت سی آیات، بہت سی احادیث اور بہت سے تاریخی واقعات ہیں، حضور علیہ السلام خود انہیں اپنی زندگی میں خلیفہ بنا گئے۔ جو علیؓ کو خلیفہ بلافصل مانے گا وہی اللہ کا دوست ہوگا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں بارہویں امام کی دلیل ہے اور قرآن کا حکم کہ صادقین کا ساتھ دو یہ بھی اسی کی دلیل ہے حدیث میں بھی دلیل ہے کہ جو امام زماں کو نہ پہچانے وہ کفر کی موت مرگیا۔ تقیہ کا حکم مذہب میں ہے۔ اس سے خدا اور رسول خوش ہوتے ہیں۔ لہٰذا تقیہ کی مخالفت یا اس کا مذاق اڑانا اللہ اور رسول کی مخالفت ہے۔"

(امامیہ دینیات درجہ پنجم)

یہ حوالے ہم نے محض اس لیے دیئے ہیں کہ اندازہ ہو سکے کہ امامیہ حضرات کو اپنے اعتقادات و افکار کے معاملہ میں کتنا اعتماد و وثوق ہے اور وہ کس طرح اپنی نئی نسل میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے اس کا اہتمام کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنا حال سامنے رکھیں۔

دیکھ کعبے میں شکست رشتہ تسبیح شیخ　　بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

اسکے بالمقابل ہماری جو تعلیم ہے اور ہمارا جو انداز تربیت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، والدین و اساتذہ خود حقائق سے ناآشنا حتی کہ مساجد کے ائمہ و خطباء کی اکثریت حقیقت ناشناس، جسکا ایک موٹا سا ثبوت یہ ہے کہ ابتدائے محرم سے مسجد سے امام باڑہ تک، جو تقریریں ہوتی ہیں، ان کا انداز اور ٹون ایک ہی جیسی ہوتی ہے اور خرافاتی روایات سنا سنا کر عوام کے ذہن مسموم کیے جاتے ہیں۔ ان ایام میں ریڈیو اور ٹی۔ وی کا عملہ نیز اخبارات کے مالکان اور کالم نویس سبھی کے سبھی ایک "ذاکر" کا روپ دھار چکے ہوتے ہیں۔

خوش قسمتی ہے ان لوگوں کے جو سبائی مجوسی فکر کے علمبردار ہیں کہ غیر شعوری طور پر ان کا کام برادران اہلسنت کرتے ہیں۔

جماعتی نظم

اس صورت حال کے نتیجہ میں مخالفین و اعداء اسلام میں جسطرح کی جماعت بندی اور نظم پیدا ہو جاتا ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے یہاں کی قادیانی جماعت ہے۔ اس جماعت کے سربراہ مرزا غلام احمد صاحب ۱۹۰۸ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ ان کے پہلے نائب حکیم نورالدین صاحب کی وفات ۱۹۱۴ء کے بعد قادیانی و لاہوری کے نام سے ایک تقسیم کی صورت

حادثاتی طور پر سامنے آگئی لیکن اس کے باوجود جب کبھی اس جماعت کو کسی مشکل کا شکار ہونا پڑا تو ربوہ سے لے کر لاہور تک سب شانہ بشانہ نظر آئے جس کی مثال ۱۹۷۴ کی تحریک ختم نبوت ہے کہ مرزا ناصر احمد آنجہانی سے لیکر مولوی صدرالدین تک سبھی کے سبھی قومی اسمبلی کی عمارت میں کھڑے ایک ہی انداز سے اپنا دفاع کر رہے تھے۔ امتناع قادیانیت آرڈیننس کے بعد مرزا غلام احمد صاحب کے پوتے اور موجودہ سربراہِ جماعت مرزا طاہر احمد انگلینڈ پہنچے۔ مشاورت کرکے اپنا مرکز ربوہ کے بجائے وہاں بنانے کا عزم کیا تو دنیا بھر کے مرزائی اس طرف متوجہ ہوگئے اور چند ماہ بعد انہوں نے انگلینڈ میں اپنے جلسہ سالانہ (جو ان کے یہاں حج جیسا مقدس اجتماع ہے۔ عیاذاً باللہ) کا ربوہ کے بجائے اہتمام کیا تو پاکستان سے افریقہ تک ہر جگہ کے قادیانی بھاری بھرکم اخراجات برداشت کرکے وہاں پہنچے اور اپنی نظم و اجتماعیت کا مظاہرہ کیا اس کے برعکس ہمارے یہاں ۱۹۷۴ کی مجلس عمل کے سیکرٹری ہر ایک سے راضی ہیں لیکن وہ دشمن دین سمجھتا ہے تو مولانا رشید احمد گنگوہی سے لیکر مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا خان محمد تک کو جنہوں نے اپنی زندگیاں اس مقصد کے لیے کھپادیں انہیں علامہ انور شاہ پسند نہیں، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ گوارا نہیں یہی حال مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ مولانا اسلم قریشی کے اغوا کے بعد بننے والی مجلس عمل کے سیکرٹری کا ہے اس نے ابتداء میں تو مجلس عمل کے بعض پروگراموں میں شرکت کی لیکن پھر کراچی کے سمندر سے جو ثورانی لہر اٹھی تو بیچارے سیکرٹری صاحب دبک کر بیٹھ گئے اور "تقدیس حرمین کانفرنس لندن" کی شرکت و شمولیت کے بعد تو انہوں نے اپنے سابقہ رفقا سے ہاتھ ملانا بھی ترک کردیا۔

ایسے ہی آپ دشمنانِ صحابہ و قائلین تحریف قرآن کی جماعتی حیثیت ملاحظہ فرمائیں۔ انہیں فقہ جعفریہ کا بھوت سوار ہے اور اس سلسلہ میں وہ یکزبان و یک قدم ہو کر چل رہے ہیں۔

اسمیں شک نہیں کہ پاکستان کی عظیم اکثریت حنفی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی قدس سرہ سے علمی و روحانی روابط رکھنے والے حقیقی احناف و خدام فقہ حنفی نے شاہ صاحب کی طرح توسع کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ قرآن و سنت کی بات کی۔ محترم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے البتہ ایک موقعہ پر فقہ حنفی کے اجراء و تنفیذ کی بات کی۔ اور پھر جب ضیاء الحق صاحب نے سعودی حکومت کے مشیر ڈاکٹر معروف دوالیبی کو یہاں مشاورت کے لیے بلایا تو اس سے چڑ کر ایک طبقہ نے سنی کانفرنسوں کا جال بچھادیا اور ملتان سے ابتدا کرکے الٹی میٹم کے سے انداز میں کہا کہ یہاں بس دو ہی فقہ ہیں، حنفی، جعفری۔ اس سے فقہ جعفری کا لقمہ ان کے منہ میں پڑا جو حضرت جعفر صادق کو چھٹا معصوم امام ماننے کے باوصف ان کی فقہ سے ناواقف تھے یا اس کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اب جو یہ دھر رچا تو اسلام آباد

میں سیکرٹریٹ کے گھیراؤ سے لیکر ۶ جولائی ۸۵ کے واقعہ وسانحہ کوئٹہ تک بات پہنچی

۱۹۸۰ کے پہلے علماء کنونشن سے ایک دن قبل ایک خصوصی میٹنگ میں اخبارات کی رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے صدر صاحب سے زکوٰۃ آرڈیننس کی واپسی کی ہاتھ جوڑ کر درخواست کی بصورت دیگر اعتقادی وفکری ارتداد کا راستہ کھلنے کا خدشہ ظاہر کیا۔ نہ صرف وہ خدشہ پورا ہوا بلکہ اس پر ایک سیاسی تحریک بپا ہوگئی جسے ایرانی انقلاب نے اور شہ دی۔ اسلام آباد سیکرٹریٹ کا گھیراؤ ہوا۔ معاملہ شدید تھا لیکن حکومت نے زیادہ توجہ نہ دی اور فقہ جعفری کے علمبردار رہنماؤں کو اسلام آباد جہازوں کے ذریعہ بلا بلا کر اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں ٹھہرا ٹھہرا کر اور سر پر چڑھایا۔ حتیٰ کہ موجودہ منتخب حکومت (؟) کے سربراہ محترم جونیجو صاحب نے بھی تجدید عہد کر کے مروت وشرافت کے علمبرداروں میں نام لکھوالیا اور یہ نہ سوچا کہ مروت وشرافت کا ہر ایک مستحق نہیں ہوتا۔

سانحہ کوئٹہ کی شدت ایسی تھی کہ سینٹ کے اجلاس میں وزیر داخلہ کو بہت سی ناگفتنی کہنا پڑیں۔ انہوں نے ۲۲ آدمیوں کے مرنے اور کئی کے زخمی ہونے کے ساتھ اعتراف کیا کہ اسمیں غیر ملکی (؟) ہاتھ ہے اور یہ براہ راست حکومت سے ٹکراؤ ہے۔

اس کے بعد سے اب تک اسلحہ نکلنے جیسی جو خبریں آرہی ہیں اور اخبارات کی رپورٹ کے مطابق ایران کی وزارت خارجہ نے ہمارے سفیر کو بلا کر جو احتجاج کیا اس سے کئی گوشے بے نقاب ہوگئے۔ اور وہ منبر جہاں کبھی اتحاد کے مرض کا شکار علماً اثنا عشری حضرات کو بلا کر مشترکہ وعظ کراتے تھے، اب وہ اس تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے خلاف دھواں دھار تقریریں کر رہے ہیں نہ معلوم ان کی اپنی سوجھ ہے یا کسی بلند آہنگ کا اشارہ؟ تاہم یہ سب باتیں اس حقیقت کی غماز ہیں کہ اس کیمپ میں نظم واجتماعیت کی کیا شکل ہے رہ گئے ہم تو سب سے بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ ہم چند درچند گروہوں اور ٹکڑیوں کا شکار ہیں اور پھر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے حوالے سے جس کے چیلنج کا اب ہمیں سامنا ہے ہماری کوئی تیاری نہیں۔ تیاری ہو کیسے؟ ہم نے اس مسئلہ کو کبھی مسئلہ نہیں سمجھا۔ ہمیں یہ باور کرایا گیا اور مسلسل یہ بات ہمارے حلقوں سے اتاردی گئی کہ یہ طبقہ امت اسلامیہ اور ملت مسلمہ کا ایسے ہی جزو ہے جیسے باقی اہل اسلام کے مختلف اجزاء۔

ہمارا منصب قضا چھوڑ، افتاء کا بھی نہیں لیکن ہمارے ذہن میں اُلجھن ضرور ہے اور ایسی شدید کہ آج تک ہمیں اطمینان نہیں ہو سکا۔ بہت سے ذی وقار حضرات سے گفتگو ہوئی لیکن ؎

شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرہا

والی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ایک سوال نے ہمیں مسلسل پریشان کر رکھا ہے کہ معتقدات دینی اور ضروریات

دین کے معاملہ میں جن لوگوں کا رویہ حقیقت ثابتہ سے مختلف ہو انہیں یہ مقام کیونکر دیا جا سکتا ہے کہ انہیں ملت کا حصہ مان لیا جائے؟

مرزا غلام احمد قادیانی ایک شخص تھے، انہیں مامور من اللہ مانا گیا وحی کا ان کے لیے لزوم ثابت کیا گیا ان کے حق میں آمر و ناھی جیسی اصطلاحات استعمال ہوئیں اور نجات کو ان سے وابستہ کیا گیا ان کے مخالفین کو کافر، بے ایمان، سؤر خنزیر تک کہا گیا تو وہ اور ان کے اتباع کا فرد مرتد قرار پائے ــــ اسمیں شک بھی نہیں ــــ لیکن جو طبقہ ایک چھوڑ ۱۲ کی معصومیت، وحی و معجزات اور سبھی کچھ کا قائل ہو وہ پھر بھی جسد ملت کا حصہ؟

ع بہیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

ماضی قریب کے ایک نہایت درجہ ذمہ دار، مستند، سکہ بند اور محتاط عالم ربانی السید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ ساری عمر اسی محاذ پر ان کا جہاد رہا۔ تقریری، تحریری ہر طرح کا۔

ان کا قلمی جہاد بڑا دقیع اور مؤثر تھا جس میں ایک کتاب بنام "کشف الحقائق" ہے جو ان کے دور آخر کی تالیف ہے اور زندگی کا گویا نچوڑ اور حاصل مطالعہ۔ کتابی سائز کے ۵۲۲ صفحات پر باریک قلم کی اس کتاب نے ہمارے ذہن و فکر پر گہرا اثر ڈالا۔ طبیعت کو ایک درجہ طمانیت نصیب ہوئی۔

یہود کی تاریخ پر بخاری صاحب نے گفتگو شروع کی اور صحیفہ فطرت قرآن عزیز اور تاریخ کی روشنی میں

فتنہ سامانی و فساد انگیزی ، نقض عہد ، تحریف اور اسلام دشمنی

ان کا قومی کردار بتایا جس کے ارد گرد ان کی تاریخ پھیلتی ہے

اسی قوم کا ایک فرزند عبداللہ بن سبا آئندہ چل کر اس تحریک کا داعی بنا جو اب ایرانی انقلاب کے بعد ہر جگہ فقہ جعفریہ کے نفاذ کی بات کرتی ہے۔ اس تحریک سے اسلام کا انگ انگ زخمی ہے اور فتح ایران کے بعد جب مجوسی ذہن اس سبائی ذہن سے ملا تو اس دو آتشہ نے قیامت ہی بپا کر دی اور اب تک کر رہی ہے سیاسی محاذ سے قطع نظر مذہبی محاذ پر گفتگو کریں تو

توحید باری تعالیٰ پر حملہ ۔ تحریف قرآن

تحریف نبوت (مسئلہ امامت) اور رسالت و صحابیت

حتیٰ کہ خود اپنے ممدوحین سیدنا علی اور ان کے خاندان کی تنقیص و توہین اور ان پر افترا و بہتان کی شکل میں اس سیاسی تحریک کے چار ستون سامنے آتے ہیں۔ تفصیل بہت طویل ہے لیکن محض نمونہ کے طور پر چند سطور دیکھ لیں۔

پانچویں امام (حضرت محمد باقر رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حوالہ سے روایت ہے" رجال کشی نے نقل کیا

کہ عبداللہ بن سبا مدعی نبوت تھا اور حضرت علیؓ ہی کے متعلق خیال کرتا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں۔
قرآن معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا (اساس الاصول ص۶ بحوالہ مقدمہ آیات خلافت ص۵۶)
اور اصول کافی جیسی مسلمہ کتاب کے ص۶۷۱ پر ہے (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) کہ حضرت علیؓ نے اصلی شکل میں قرآن جمع کر کے لوگوں کو بتایا تو انہوں نے پرواہ نہ کی۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا۔

واللہ ما ترونہ بعد یومکم ھذا ابدا

بخدا آج کے بعد تم اسے نہ دیکھو گے

جلاء العیون ص۶۶/۶۷ کے بقول ہمیں حضرت علیؓ اور ان کے بیٹوں کی خلافت کا صریح ذکر تھا۔
امامت (جو عقائد کا اہم مسئلہ ہے) ایک مخفی راز ہے اللہ نے پوشیدہ طور پر جبریلؑ سے انہوں نے حضرت محمدؐ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے بیان کیا (اصول کافی ص۴۸۷ باب الکتمان)
(امامت کا یہ حال ہے کہ) اللہ نے چاند کو پیدا کیا تو اس پر لکھدیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المؤمنین (احتجاج طبرسی ص۲۳۱)

اور پہلے اس سلسلہ میں آچکا کہ یہ سب ان حضرات کے نزدیک کتنا اہم ہے حتیٰ کہ اس کے لیے عصمت مطلقہ، اطاعت مطلقہ ضروری ہے، اور ائمہ کو جمیع انبیاء حتیٰ کہ نبی علیہ السلام پر برتری حاصل ہے رہ گیا حضرت علیؓ وغیرہ کا حلیہ اور تصویر تو ان حضرات کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور ان کے خاندان سے بڑھکر بزدل کوئی پیدا نہیں ہوا (معاذ اللہ)

متحدہ ہندوستان کے معروف عالم مولانا محمد عبدالشکور لکھنوی نے جس دقت نظر اور محنت و کاوش سے اس تحریک کو پڑھا سمجھا ان کا قدیم جدید لٹریچر فراہم کیا۔ اس کا سبھی کو اعتراف ہے
انہوں نے جب چھان پھٹک کی تو انہوں نے لکھا کہ ان حضرات کی کتب میں قرآن عزیز کی پانچ طرح کی تحریف کا ثبوت ہے۔

کمی بیشی۔ تبدل الفاظ۔ تبدل حروف۔ خرابی ترتیب اور سورتوں، آیتوں کلمات تک کی ترتیب میں بگاڑ۔

تو وہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ باقی وجوہات کو چھوڑ کر یہی وجہ کافی ہے کہ اس طبقہ کا ملت سے کوئی تعلق نہ ہو اور ایسا ہی ہے پھر ان کی تائید کی ایسے ایسے جہال علم اور محتاط و متدین حضرات نے کہ ان سے زیادہ مخلص اور سچے لوگوں پر اپنے دور میں سورج طلوع نہیں ہوا۔

سید محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ۔ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری،

مفتی ریاض الدین، سید اصغر حسین، مولانا رسول خان سابق شیخ الجامعہ جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا مفتی محمد شفیع بانی دارالعلوم کراچی، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا خلیل احمد مہاجر مدینہ (شیخ حضرت مولانا محمد زکریا) مفتی مہدی حسن شاہ جہان پوری، مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ۔ مولانا عبدالرحمٰن بہبودی (حضرو۔ چھچھ) مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا انوارالحق امروہوی، مولانا منظور نعمانی۔ مولانا مسعود احمد مفتی دیوبند، مولانا ظہور احمد بہاری مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ۔

اور انہوں نے اپنی تائید میں امام ابن حزم ظاہری۔ قاضی عیاض صاحب شفاؒ، علامہ بحرالعلوم لکھنوی۔ ملا علی قاری۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب احسن الفتاوی، امام ابن تیمیہ وغیرہ کے ایسے ایسے خوفناک اقوال نقل کیے کہ ہم جیسے کمزور لوگ انہیں نقل بھی کر سکتے۔

(جو حضرات اس کو حاصل کرنا چاہیں وہ پاکستان سنی کونسل کراچی یا سنی سنٹر اچھرہ لاہور سے رجوع کریں محض دیکھنے کی حد تک ہمارے پاس بھی کاپی موجود ہے۔ دیکھی جاسکتی ہے)

تقسیم ملک کے بعد پاکستان چھوڑ ہندوستان میں بھی مولانا عبدالشکور کی ٹکر کا آدمی سامنے نہ آیا ہاں بعض اداروں اور مجالس نے کسی حد تک کام کیا اور کر رہے ہیں لیکن جس نظم و اجتماعیت کا رونا ہے وہ اپنی جگہ ہے۔

تقسیم سے قبل ایک دردِ دل رکھنے والے زمیندار سردار احمد خان ہشانی مرحوم نے ملک بھر کے ذمہ دار اہل علم وفضل کے مشورہ سے "تنظیم اہلسنت" کے نام سے ایک تنظیم کا اہتمام کیا جس کے سٹیج پر سید نورالحسن بخاری اور قریشی دوست محمد مرحومین کے بعد اب مولانا عبدالستار تونسوی جیسے بزرگ سرگرم عمل ہیں اور بڑے خلوص و محنت سے، باوجودیکہ احباب و رفقاء کی بڑی کمی ہے۔

سردار صاحب کے ذہن میں تنظیم کا جو تصور تھا وہ جب بھی مفقود تھا اب بھی مفقود ہے، بقول سید نورالحسن مرحوم اس ادارہ نے تبلیغی کام تو بہت کیا لیکن تنظیم چیزے دیگر است۔

اب اس ادارہ کے سربراہ مولانا تونسوی اس طبقہ کے لٹریچر و افکار پر گہری نظر رکھنے والے، نہایت مخلص خوددار، بہادر اور باہمت انسان ہیں جبکہ پنجاب کے نئے ضلع چکوال میں مقیم ایک بزرگ مولانا قاضی مظہر حسین اس محاذ پر تبلیغی و تحریری طور پر بہت ہی بے جگری، ہمت اور قوت و اخلاص سے کام کر رہے ہیں ان ہر دو حضرات کی قیادت میں کچھ مخلصین ضرور ہیں لیکن یہ خواہش کہ اہل سنت اپنے ملی ورثہ و روایات کے تحفظ کے لیے کمر ہمت باندھ کر صحیح تنظیمی اسپرٹ کا مظاہرہ کریں۔ ابھی ایک خواہش ہی ہے۔

لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا

اُدھر کراچی اور لاہور میں عوام کے دائرہ سے چند دردمند مخلص اور صحیح شعور رکھنے والے حضرات پاکستان سنی کونسل اور سنی سنٹر کے نام سے مصروف ہیں جن کے کام سے بہر طور فائدہ ہو رہا ہے، افراد کی حد تک مولانا

محمد اسحٰق سندیلوی مقیم کراچی جیسے حضرات ہزار درجہ لائق تبریک ہیں۔

رب العزت، ان تمام حضرات کے قلوب میں اسلامی محبت والفت ڈال دیں اور قافلہ کی شکل اختیار کرلیں تو انشاءاللہ تعالیٰ میدان کارزار اور ہی ہوجائیگا۔

اس سرد مہری سے قطع نظر، مسئلہ اس وقت نفاذ فقہ جعفریہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی بنیاد "زکوٰۃ آرڈیننس" سے پڑی جس کے فی نفسہ فوائد اب تک برائے نام بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

اگر اسلام کا نفاذ من حیث المجموع ہو اور ہر کام دیانت واخلاص سے کیا جائے تو ہمارے ملک میں اکٹھی ہونے والی زکوٰۃ سے یہاں غربت وافلاس ختم ہوکر رہ جائے لیکن بھکاریوں کی فوجیں جوں کی توں ہیں ۲۰/۴۰ روپے ماہانہ زکوٰۃ کے ذریعہ مساکین وغربا کا مذاق اپنی جگہ ہے اور فکری ارتداد کا راستہ کھلنے کے بعد اب ایجی ٹیشن کی سیاست مذہب کے نام پر اپنا رنگ لارہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملکوں اور قوموں کی بقاء وحدت قانون میں ہے لیکن تنہا ہمارا ملک پہلا ملک ہے جہاں حکمرانوں نے قانون ومالیات کی تقسیم کا دروازہ خود کھولا اور اب وہ جہاں خود الجھن واضطراب کا شکار ہیں وہاں اہل وطن بھی بے چینی کی زندگی میں مبتلا ہیں۔

ہمارے سامنے اس وقت انگلینڈ، آئرلینڈ، اسپین، پرتگال، یونان، سویڈن، کولمبیا، ارجنٹائن، ناروے، افغانستان اور ایران کے دساتیر کے متعلقہ حصے موجود ہیں۔ ہم طوالت سے بچنے کی غرض سے بعض ایران کے دستور وآئین کا متعلقہ حصہ نقل کررہے ہیں تاکہ ایرانی شہ پر ایجی ٹیشن کرنے والے مذہبی ایجی ٹیٹر اسکا کوئی معقول جواب فراہم کرسکیں اور لیپا پوتی سے باغباں اور صیاد دونوں ہی کو خوش رکھنے کی پالیسی پر عمل پیرا حکمراں بھی عقل کے ناخن لے سکیں۔

> ایران کے آئین کی دفعہ ۱۲ کے مطابق ایران کا سرکاری مذہب دین اسلام (؟) ہے اور مذہب جعفری، کیونکہ مسلمانانِ ایران کی اکثریت کا یہ مذہب ہے اور دوسرے اسلامی مذاہب زیدی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بھی معتبر اور محترم ہیں۔ وہ علاقے جہاں ان مذاہب کے پیروؤں کی اکثریت ہے وہاں کے مقامی معاملات شورائی اختیارات کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے لیکن احوال شخصیہ تعلیم اور دینی تربیت میں ہر مسلمان ایران کے ہر علاقے میں اپنے اسلامی مذہب کے مطابق عمل پیرا ہوگا۔

یہ ہے اس ایران کے آئین کا متعلقہ حصہ، جسمیں انقلاب لانے کا سہرا خمینی صاحب کے سر ہے، جن کے پیروکار یہ فریب کھیلتے اور دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ شیعہ سنی کی بات نہیں کرتے محض اسلام کی بات کرتے

ہیں لیکن ان کے آئین کو آپ دیکھ لیں کسطرح ''جعفریت'' کی بالادستی اکثریت کی بنا پر کی گئی ہے۔

اور اسی ایک آئینی شق پر منحصر نہیں وہ اول آخر اسی مسلک کے پیروکار ہیں انہوں نے اپنی کتابوں ولایۃ الفقیہ اور کشف الاسرار میں وہی کچھ لکھا جو سب شیعہ زعما لکھتے ہیں مثلاً امامت کے سلسلہ میں رسُول کی طرح نامزدگی نبی کی طرح معصومیت کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا کہ

ان کا درجہ رسُول اللہ کے برابر اور دوسرے سب نبیوں سے بالاتر ہوتا ہے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ جس ایران میں سنی حضرات کم از کم ۳۵ فیصد ہیں وہاں تو "مذہب جعفری" اور جس پاکستان میں شیعہ بمشکل ۲ فیصد ہیں وہاں یہ ہنگامہ آرائی کیوں؟

افسوس یہ ہے کہ برادران اہلسنت نے یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود اتحاد کی رٹ لگا رکھی ہے جسکا ایک ثبوت وہ ۶۴ صفحات کا رسالہ ہے جسے مولانا صدر الدین الرفاعی المجددی (کاش موصوف نے حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات ہی کو سامنے رکھا ہوتا) خطیب مدنی جامع مسجد سٹیلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی" نے اپنے کتب خانہ "تعمیری کتب خانہ راولپنڈی" سے شائع کیا۔ اس کے سرورق پر سب سے پہلے تو آیت قرآنی ہے

اَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ۔ دین کو قائم کرو اور اسمیں پھوٹ نہ ڈالو

پھر اسکا عنوان ہے

دستور علی علیہ السلام (گویا وہی مخصوص اصطلاح)

تمام دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے" نیچے جو کھٹہ میں ہے۔"

ایک شیعہ بھائی ڈاکٹر سید صادق نقوی تہرانی کے قلم سے حضرت علی رض کے حقیقی سنی اور چاروں خلفا راشدین کے برحق خلیفہ رسُول ہونے کا مکمل و مدلل ثبوت۔

مولانا صدر الدین جماعت اسلامی کے قدیم رفقاء میں سے ہیں اب جماعتی تعلق نہیں ہم ان کے خلوص پر شبہ کیے بغیر یہ عرض کریں گے کہ مخصوص معروضی حالات میں کسی شیعہ کا اپنے مخصوص مذہبی اصول "تقیہ" کی بنا پر کسی ایسی چیز کا لکھنا کوئی مدار نہیں۔ اس قسم کے شوشے برادران اہلسنت کو سلانے کی غرض سے چھوڑے ہی جاتے ہیں — اللہ کے لیے دشمنوں کے ان ہتھکنڈوں کو سمجھیں۔ اور اس معاملہ میں مشہور بیدار مغز اور صاحب صلاح و تقویٰ مصری بزرگ السید محب الدین الخطیب کا وہ رسالہ سامنے رکھیں جس کا محترم مولوی ہدایت اللہ ندوی نے "شیعہ سنی اتحاد" کے نام سے ترجمہ کیا خطیب مرحوم نے یہ رسالہ اس وقت لکھا جب مصر میں اسی قسم کی دعوت کا چرچا ہوا حتیٰ کہ الازہر کے شیوخ نے اس ضمن میں ایک پروگرام مرتب کیا۔ مرحوم نے اسکا تجزیہ کیا، تسلیم کیا کہ اتحاد بڑی اچھی شئے ہے لیکن جب اساسی اور بنیادی اختلافات ہوں تو پھر کیا کیا جائے؟

انہوں نے کہا

شیعہ حضرات کو اہل سنت سے سب سے بڑا شکوہ یہی ہے کہ شیعہ کی طرح وہ بھی اہل بیت کو معبود اور الٰہ کیوں تسلیم نہیں کرتے اور خلفاء وصحابہؓ کو دل وجان سے کیوں عـــزیز سمجھتے ہیں؟

گویا موصوف نے چند سطور میں حقیقت واضح کر دی اور فریب خوردہ شاہینوں کو حقیقت شناسی کی طرف متوجہ کیا۔ اور سمجھانا چاہا کہ کس طرح تمہیں دام میں پھنسا کر تمہاری متاع روحانی کو غارت کرنے کے لیے راہ ہموار کی جارہی ہے۔

کہنے سے مقصد یہ ہے کہ مصنوعی بہروپ دھار کر جو اتحاد کیے جائیں گے، یا جن اتحادوں کی پشت پر کوئی مثبت سوچ نہ ہوگی بلکہ محض منفی سوچ یا مطلب برآری ہوگی وہ کے دن چلے گا۔

جگنو فرنٹ سے لیکر قومی اتحاد بلکہ موجودہ ایم۔ آر۔ ڈی تک میں دیدہ بینا کے لیے بڑا ہی عبرت کا سامان ہے اور جہاں افکار و نظریات کے حوالہ سے اساسی اختلاف ہو وہاں کیا بنے گا؟

فقہ جعفریہ ہے کیا؟ اس پر تفصیل سے گفتگو کا وقت نہیں مولانا اللہ یار خان مرحوم ومغفور کے تربیت یافتہ محب گرامی امان اللہ خان ملک گجرات نے "نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ" کے حوالہ سے جو کتابچہ مرتب کیا اور جس پر انہیں انتظامی اور عدالتی الجھنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کو پڑھ لیا جائے تو آنکھیں کھل جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ

امام باقر (پانچویں امام) سے قبل امامیہ کو مناسک حج اور حلال وحرام کسی کا پتہ نہیں تھا وہ آئے تو انہوں نے اس مشکل کا حل نکالا (مفہوم اصول کافی)

امام باقر ۱۱۳ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے ان کے بتائے ہوئے مسائل نہ مدون ومرتب تھے نہ کہیں نافذ اور ان کے فرزند چھٹے امام جعفر صادق جن سے یہ نسبت دی جارہی ہے ان کے زمانے میں بھی کسی فقہ کی تدوین و ترتیب یا اس کے نفاذ کا ثبوت نہیں۔ ثبوت ہے تو اس دور میں فقہ حنفی کی ترتیب نفاذ کا۔

۳۲۳ھ میں ابوجعفر نے الکافی ۳۸۱ھ میں قمی نے من لا یحضرہ الفقیہ اور ۴۶۵ھ میں محمد بن حسن طوسی نے تہذیب الاحکام اور استبصار مرتب کیں جنمیں حضرت جعفر کا کثرت سے ذکر آیا۔

عباسی دور کے یہ قصے ہیں جبکہ عباسی استحکام سلطنت کے لیے چلے بھنے ایرانیوں سے دوستی و تعلق اور رشتے کا شکور ہے تھے اس کے باوجود سقوط بغداد تک اس فقہ کا تنفیذی ثبوت نہیں مصر کی عباسی خلافت

کے خاتمہ ۹۲۳ھ تک ثبوت نہیں ترکانِ آلِ عثمان کی خلافت کے خاتمہ ۱۹۲۴ء تک دور دور پتہ نہیں اور برصغیر میں آخری مغل بادشاہ تک نورجہاں جیسی عورتوں کے عمل دخل کے باوصف کہیں اسکا ثبوت نہیں، تو سوال یہ ہے کہ اب کیا اندرونی راز ہیں جن کی بنا پر یہ ہنگامہ ہے؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلم دنیا جو انگڑائی لے رہی ہے اس سے مرعوب ہوکر سامراج (ہمہ نوع) اور اس کے لے پالک اسرائیل نے ملت کی بنیادوں کو منہدم کرنے اور فتنہ کی آگ بھڑکانے کی غرض سے اس کے لیے کسی کو آلہ کار بنایا ہو؟

ایران کے شاہ بھی اسی طبقہ کے فرد تھے اور سامراج کے ایک حصہ سے ان کا گہرا یارانہ تھا لیکن اسی سامراج نے اپنی خفیہ ایجنسی کے ذریعہ ایران میں تبدیلی کی حالت پیدا کر کے جناب خمینی کو پیرس کے عشرت کدوں میں پروان چڑھایا اور جب ایران جل بھن کر راکھ ہو چکا تو انہیں تاج شاہی پہنا کر ایران پہنچا دیا۔ جلا ہوا اور خس و خاشاک کی شکل اختیار کیا ہوا ایران خمینی صاحب کو ملا پھر بھی انہوں نے سکون کا سانس نہ لیا اور جنگ کا الاؤ بھڑکا کر ایرانی قوم کے ساتھ مرے کو مارے شاہ مدار کا ہی سلوک نہ کیا بلکہ پوری مسلم دنیا پر شب خون مارنے کی ٹھان لی شام جہاں شیعی اقتدار ہے اور لیبیا جہاں مخصوص ذہن کا مالک ایک شخص مقتدر ہے، ان سے ان کے مخصوص یارانے اور قرضوں کی واپسی کے عنوان سے اسرائیل سے اسلحہ کا حصول قدس و کعبہ کی کفر و ظلم سے آزادی، بقیع کے قبوں کی تعمیر کے جذباتی عنوان سے مدینہ طیبہ پر قبضہ کی خواہشات، ہر سال حجاز مقدس میں حج کے مبارک موقعہ پر ہنگامہ و فساد اور ہر امکانی صورت کو رد کر کے جنگ کی مصیبت کو قائم رکھنا، ذرا ان بکھری کڑیوں کو دیکھیں اور یہاں کے شیعہ حضرات کی اچھل کود پر نظر ڈالیں تو حیرت ہو گی؟ اور حقائق ہاتھ باندھے سامنے آکھڑے ہوں گے۔

پاک فوج کے ایک سابق سربراہ جن کا قبیلہ ہزارہ کوئٹے میں سب سے زیادہ ملوث ہے ان کا سالہا سال کی خاموشی کے بعد ایک دم سامنے آنکلنا اور کل پھر اسلام آباد میں مرکزی وزیر عدل و قانون سے ناکام مذاکرات اس کے بعد احتجاجی پروگرام اکھڑ اور نئے نئے مطالبے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی اصلیت کو بے نقاب کرنے کو کافی ہیں۔ حکمران سوچیں، علماء غور کریں۔ برادران اہلسنت آنکھیں کھولیں۔

۳ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ

۲۲ جولائی ۱۹۸۵ء

سلسلۂ تقاریر الٓمٓ

سورۂ شوریٰ

ڈاکٹر اسرار احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ اللّٰہُ الْعَزِیْزُ
الْحَکِیْمُ ۝ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝
تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِھِنَّ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝

صدق اللہ العظیم۔

سورۂ شوریٰ سلسلہ حوامیم کی سورۃ ہے اور مصحف میں پچیسویں پارے میں واقع ہے یہ سورۂ مبارکہ قرآن مجید کی واحد سورۃ ہے جس کے آغاز میں دو آیات حروفِ مقطعات پر مشتمل ہیں۔ 'حٰمٓ' ایک آیت، اور 'عٓسٓقٓ' دوسری آیت۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے۔ 'کٓھٰیٰعٓصٓ' کی طرح یکجا نہیں لکھا جاتا۔ ان حروفِ مقطعات کے معنی کے بارے میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔ یہاں تک کہ خود حضرت عبداللہ ابن عباس سے بھی کئی قول منسوب ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے صحیح طور پر ثابت کوئی بھی نہیں۔ البتہ حرف قٓ کا معاملہ قابلِ توجہ ہے۔ یہ حرف قرآن مجید کی دو سورتوں کے آغاز میں آیا ہے ایک اسی سورۂ شوریٰ کے اور دوسری سورۂ قٓ، جو چھبیسویں پارے میں ہے اور ان دونوں سورتوں میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آغاز و اختتام دونوں پر قرآن مجید کا نہایت جلی انداز میں ذکر ہے۔ چنانچہ سورۂ قٓ کا آغاز ہوتا ہے۔ قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔ اور اختتام ہوتا ہے۔ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ۔

اسی طرح اس سورۂ مبارکہ سورۂ شوریٰ کا بھی آغاز اور اختتام دونوں قرآن مجید کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ پھر یہ کہ سورۂ قٓ میں بھی حرف ق ۵۷ مرتبہ آیا ہے اور اس سورۂ شوریٰ میں بھی حرف ق ۵۷ مرتبہ آیا ہے۔ دونوں کو جمع کر لیا جائے تو ۱۱۴ بنتے ہیں اور ہو سکتا ہے یہ محض حسن اتفاق ہو اور یہ بھی ہو سکتا

ہے کہ اس میں کوئی معنی ہوں کہ قرآن مجید کی ۱۱۴ ہی سورتیں ہیں اور کیونکہ ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید کا ذکر ابتداء اور اختتام پر ہو رہا ہے تو اس سے ایک اشارہ ملتا ہے کہ حرف ق کا ان کے آغاز میں آنا درحقیقت اسی حقیقت کی جانب اشارے کے لیے ہے۔ واللہ اعلم! سورۂ شوریٰ کے آغاز میں فرمایا گیا۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوحِيٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح اللہ تعالیٰ آپؐ کی جانب بھی وحی فرماتا ہے جیسے کہ وہ وحی فرماتا رہا ہے آپؐ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کی طرف، وہ العزیز ہے الحکیم ہے"

ذرا آگے چل کر آیت نمبر ۷ میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

"اسی طرح ہم نے وحی کیا ہے یہ قرآن عربی آپؐ کی طرف اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاکہ آپؐ خبردار کریں "ام القریٰ" یعنی مکے والوں کو اور جو اس کے اردگرد کے لوگ ہیں"

'ام القریٰ' کے لفظی معنی ہوں گے 'بستیوں کی ماں' یہ مکے کی طرف اشارہ ہے جو عرب کے لیے گویا کہ ایک مرکزی شہر تھا۔ ان کے تمام شہروں کے لیے ماں کی حیثیت رکھنے والا مرکزی شہر "ام القریٰ"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت وہیں ہوئی۔ اور گویا کہ ام القریٰ کے رہنے والے ہی آپؐ کے اولین مخاطب تھے۔ لیکن اضافہ فرما دیا "وَمَنْ حَوْلَهَا" اور اس کے اردگرد کے لوگ، اسمیں پورا جزیرہ نمائے عرب شامل کیا جا سکتا ہے اور یہ انذار کس چیز کا!

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

خبردار کر دیجیے قیامت کے دن سے جس دن کہ پوری نوعِ انسانی جمع ہوگی اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوگی اور جس کے اندر قطعاً کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔

آغاز میں اس طرح قرآن مجید کا تکرار کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اختتام دیکھیے تو ارشاد ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۝

"اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح ہم نے آپؐ کی طرف اپنے امر سے

ایک روح وحی کیا ہے (مراد قرآن حکیم ہی ہے) آپؐ اس سے قبل بالکل آگاہ نہ تھے۔ کتاب کسے کہتے ہیں؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ (اس لیے کہ آپؐ اُمّی تھے آپؐ اس قوم میں پیدا ہوئے جس کے پاس کوئی کتاب نہ تھی جس کے ہاں پڑھنے لکھنے تک کا رواج نہ تھا) ہم نے اس قرآن کو نُور بنایا، روشنی بنایا اس کے ذریعے سے ہم ہدایت دیتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں"۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور مہبطِ وحی اور حاملِ قرآن ہو جانے کے بعد اب آپؐ اس مقام پر فائز ہو چکے ہیں کہ آپؐ صراطِ مستقیم کی طرف لوگوں کی راہنمائی فرمائیں۔

اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں تین مضامین نہایت اہم آئے ہیں۔ پہلا مضمون یہ کہ تمام انبیاء و رسل کا دین ایک ہی ہے۔ حضرت آدم سے لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ دین ایک ہی ہے دین توحید! شریعتیں بدلتی رہی ہیں، تفصیلات کے اندر کچھ تغیر و تبدل حالات کے بدلنے کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے وہ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ 'دین' کو ہم کسی ملک کے اساسی دستور سے تشبیہ دے سکتے ہیں یعنی کسی بھی ملک کا ایک دستور ہوتا ہے اور پھر اس دستور کے تحت قانون سازی ہوتی ہے۔ دستور ہے وہ اصل اساس کہ جس پر مملکت کی بنیاد قائم ہے تو دین ہے اصل جڑ اور بنیاد۔ اس کے تحت شریعتیں جو ہیں وہ بدل سکتی ہیں اور بدلتی رہی ہیں فرمایا

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔

"اے مسلمانو! ہم نے تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا جسکی وصیت ہم نے کی تھی نوح کو۔ اور جو ہم نے وحی کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو (واضح رہے کہ اولوالعزم من الرسل یہی پانچ رسُول ہیں کہ جو چوٹی کے شمار ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ دین ایک ہی ہے اور یہ دین اس لیے دیا گیا) کہ اس دین کو قائم کرو یا قائم رکھو اور اس دین کے بارے میں تفرقہ نہ کرنا"۔

یعنی اگر وہ دین قائم ہو، اللہ کا کوئی بندہ اس ماحول میں آنکھ کھول رہا ہو، جہاں اللہ کا دین قائم ہو، رائج ہو، نافذ ہو تو اسے کوشش کرنی ہوگی کہ اس دین کو قائم رکھے۔ اس میں رخنہ نہ پڑنے دے۔

"اسمیں تفرقے بازی میں مبتلا نہ ہو جاؤ" اور اگر بدقسمتی سے حالات ایسے ہوں جیسا نقشہ کھینچا مولانا حالی مرحوم نے کہ

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

اگر دین پائمال ہو، اور مغلوب ہو تو اسکو قائم کرنا لازمی ہے ہر اُس شخص کے لیے، جو پُورے خلوص اور اخلاص کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا ہو اور اس کو ماننے کا دعویدار ہو۔ اسی ضمن میں آگے حضورؐ سے ارشاد ہوتا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط

"اے نبی آپؐ اسی کو دعوت دیے چلے جایئے اور پُوری طرح جمے رہیے اس پر کہ جس کا آپؐ کو حکم ہوا ہے۔ اور لوگوں کی اھواء اور اُنکے من گھڑت خیالات کی پیروی نہ کیجئے۔ اور ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجئے، کہ میں تو ایمان رکھتا ہوں اس کتاب پر کہ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کردوں"

یہ بڑا اہم نکتہ ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے! رسُول روائتی واعظ نہیں ہوتے صرف نصیحت کرنے نہیں آتے بلکہ اس نظامِ عدل کو قائم کرنے آتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہوتا ہے۔ کوئی شخص جو محض واعظ ہو یا محض قصہ گو ہو اس کا معاملہ اور ہے اور وہ کہ جو اس دعوے کے ساتھ آئے کہ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ میں عدل قائم کرنے آیا ہوں، انصاف قائم کرنے آیا ہوں تمہارے مابین اس نظامِ عدلِ اجتماعی کا نفاذ یہ میری بعثت کا مقصد ہے۔ اسی ضمن میں آگے ارشاد ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ـــ

"اللہ ہی ہے جس نے کتاب اُتاری اور میزان نازل فرمائی"

یہاں میزان سے مراد وہ نظامِ عدلِ اجتماعی ہے جس میں سب کے حقوق و فرائض تولے جائیں گے معین کیے جائیں گے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعتِ خلافت کے بعد جو پہلا خطبہ دیا اسمیں ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک کہ میں اس سے حق

وصول نہ کرلوں اور ہر ضعیف میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک کہ اسے اسکا حق دلوا نہ دوں ـــــ

اس سورۃ مبارکہ میں آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ۔

"تمہیں کیا معلوم شاید کہ قیامت سر پر کھڑی ہو"۔

وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ مہلتِ عمل ختم ہو رہی ہے جلد از جلد اپنے ان فرائض کو ادا کرنے کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اس سورہ مبارکہ میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف گنوائے۔ بڑا پیارا انداز ہے فَمَا أُوتِيتُم مِّن شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا "جو کچھ بھی تمہیں اس دنیا میں ملا ہے وہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے (برتنے کی چیزیں ہیں)"۔ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی ان کے لیے جو اللہ پر ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں"۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ۔

ان کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے، فحش چیزوں سے بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اور اگر انہیں کبھی غصہ آتا ہے تو وہ معاف فرما دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ

اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے والے۔

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

اور نماز قائم کرنے والے اور جن کا معاملہ انکے مابین باہمی مشورے سے طے پاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنتَصِرُونَ۔

اور اگر کبھی ان پر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو وہ بے غیرت اور بے حمیت لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ بدلہ لینے والے ہیں ـــ یہ ہیں اوصاف اس جماعت کے جو محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار فرمائی تھی۔ یہ اوصاف کاش کہ ہم اس دور کے مسلمان اپنے اندر پیدا کر سکیں تو واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل جائے گا۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِذٰلِکَ

پروردگار ہمیں اس کی توفیق عطا فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

●●●●●

طالبانِ علمِ قرآن کیلئے ایک خوش کن خبر!

دورہ ترجمۂ قرآن کے کیسٹ

موجودہ رمضان المبارک میں تراویح کے دوران

ڈاکٹر اسرار احمد (امیر تنظیم اسلامی)

نے ہر چار رکعتوں سے قبل ان میں پڑھے جانے والے حصہ قرآن کا ترجمہ اور آیات اور سورتوں کا باہمی ربط بیان فرمایا جسے ۶۰-C کے ۸۳ جاپانی و پاکستانی کیسٹوں میں محفوظ کر لیا گیا جن کی قیمت علی الترتیب ۲۰۰۰/- اور ۱۳۰۰/- روپے ہے خواہشمند حضرات اپنے آرڈر ہمیں بک کروائیں۔

۱۔ نشر القرآن کیسٹ سیریز ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون ۸۵۲۶۱۱ / ۸۵۲۶۸۳

۲۔ شائنگ ٹریڈرز، رفیع مینشن بالمقابل آرام باغ کراچی فون ۲۱۴۷۰۹

سیرتِ نبوی کے ضمن میں دو ۲ عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیمِ اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو ۲ مجموعے — اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ!

رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسول

سورۂ احزاب رکوع ۳،۲ کی روشنی میں

تبلیغی مقاصد کے پیشِ نظر — ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب — محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون — ۸۵۲۶۱۱

ذیلی دفتر: ۱۱ داؤد منزل - نزد آرام باغ کراچی ۱ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

ہدایت القرآن (قسط نمبر ۲)

مولانا محمد تقی امینی

چنانچہ نماز کے ذریعہ قیام وقعود اور رکوع وسجود میں بندہ اپنی بندگی ظاہر کرتا اور قرآن ودُعا اور تسبیحات میں اللہ سے بات چیت کا شرف حاصل کرتا ہے اس بنا پر نماز کو اللہ سے بندگی کا تعلق پیدا کرنے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کا ذوق پیدا کرنے میں خاص دخل ہے۔

نماز سے نہ صرف روح کو سکون حاصل ہوتا اور اس کی ضرورت پوری ہوتی ہے بلکہ اس سے پوری زندگی اثر قبول کرکے ایک خاص سانچہ میں ڈھلتی ہے۔ بُری باتوں کو چھوڑنے اور سیرت درست کرنے میں مدد ملتی ہے۔

"زکوٰۃ" کے ذریعہ وہ خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے اللہ کے بندوں سے تعلق پیدا ہوتا ان کو نفع پہنچتا ہے مثلاً ایثار وقربانی، ہمدردی وغم خواری اور دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ اور وہ برائیاں دور ہوتی ہیں جو بندوں سے تعلق پیدا کرنے اور ان کو نفع پہنچانے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں مثلاً مال ودولت کی حرص، دنیا سے محبت، خود غرضی، حق تلفی اور سخت دلی جیسی برائیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے، اس طرح زکوٰۃ کو بندوں سے تعلق پیدا کرنے اور اس سلسلے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کا ذوق پیدا کرنے میں خاص دخل ہے۔

"زکوٰۃ" سے نہ صرف بندوں کی ضرورت پُوری ہوتی ہے۔ بلکہ بندوں کو نفع پہنچانے اور اس راہ سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔

نماز وزکوٰۃ اسلامی زندگی کے دو رُخ ہیں ایک اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کے بندوں سے تعلق جوڑتا ہے، ایک ان خوبیوں کو ابھارتا ہے جو اللہ سے تعلق مضبوط کرتی ہیں اور ان برائیوں کو دباتا ہے جو اس تعلق کو کمزور کرتی ہیں، دوسرا ان خوبیوں کو ابھارتا ہے جو بندوں سے تعلق کو مضبوط کرتی اور ان برائیوں کو دور کرتا ہے جو اس تعلق کو کمزور کرتی ہیں۔

نماز وزکوٰۃ ایک دوسرے کے لیے اس قدر لازم اور ضروری ہیں کہ اگر ایک پر عمل ہو اور دوسرے پر نہ ہو تو اسلامی زندگی ختم ہو جائے گی اور وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے لیے اسلام نے

جماعتی زندگی پر زور دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کے کام آئیں اور ہر موقع پر جس کو جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو وہ کریں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے زمانے میں جب زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آیا تو انہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان اہمیت کے لحاظ سے کسی قسم کا فرق گوارا نہ کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ

وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔
(مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جہاد کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا (ایک کو ادا کیا اور دوسری میں غفلت سے کام لیا)

نماز و زکوٰۃ کے یکساں ضروری ہونے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً۔

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔
(المزمل آیت ۲۰)

نماز قائم کرو (اہتمام کرو) زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

آخری ٹکڑا (اللہ کو اچھا قرض دو) سے ظاہر ہوتا ہے کہ بات صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر نہیں ختم ہوتی ہے بلکہ مقصود اللہ کے بندوں کی ضرورتیں پوری کرنا ہے، اگر زکوٰۃ سے یہ ضرورتیں نہیں پوری ہوتی ہیں تو اس کے علاوہ بھی دینا فرض ہے، اسلامی حکومت (جو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے) اس بات کی مجاز ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی لوگوں سے لے کر بندوں کی ضرورت پوری کرے۔ اگر حکومت نہ ہو اور ضرورت مند لوگ موجود ہوں تو ہر شخص اپنے اپنے دائرہ میں ان کی ضرورت پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ یہ سب کچھ لفظ "اَقْرِضُوْا" (قرض دو) سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں حکم بھی ہے اور رغبت دلانا بھی ہے حکم اس طرح ہے کہ وہ مانگ رہا ہے جتنے دیا ہے اگر کوئی اور مانگتا تو اختیار اور مرضی کی بات ہو سکتی تھی کہ چاہے تو دے اور چاہے نہ دے لیکن دینے والا جب خود مانگے تو پھر اپنی مرضی کی بات ختم ہو جاتی ہے اور اپنا اختیار بھی باقی نہیں رہتا ہے رغبت دلانا اس طرح ہے کہ جو کچھ دے گا اس کی حیثیت قرض کی ہے اور وہ بھی اچھے قرض کی کہ جس کے ڈوبنے یا کم ہونے کا دور دور وہم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

"روزہ" سے زندگی میں بہت سی خوبیاں پرورش پاتی ہیں، مثلاً صبر، ہمدردی، غم خواری و

قربانی، بے نیازی اور خواہشات پر قابو پانے کی ہمت وغیرہ۔ قرآن نے روزہ کا مقصد "تقویٰ" بیان کیا ہے جو دل کی نیکی اور عمل میں سچائی کا دوسرا نام ہے۔ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے بعد جو کام بھی کیا جائے گا وہ نیک دلی اور سچائی کے ساتھ کیا جائے گا۔

تقویٰ کی اصل جگہ دل ہے لیکن اس کے اثرات پوری زندگی میں پھیلے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سینہ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تقویٰ کی جگہ بتائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَاَشَارَ اِلٰی صَدْرِهٖ (مسلم کتاب البر) — تقویٰ اس جگہ ہے آپ نے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

قرآن میں تقویٰ کے بہت سے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ سے ڈرنا، برائیوں سے بچنا، نقصان پہنچانے والی چیزوں سے پرہیز کرنا اور سنبھل سنبھل کر زندگی گذارنا وغیرہ۔

حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ دونوں صحابیوں کی گفتگو سے زندگی میں تقویٰ کے اثرات نہایت عمدہ طریقے سے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا "مَا التَّقْوٰی" (تقویٰ کیا ہے؟) جواب دیا "اما سلکت طریقا ذا شوک" (کیا آپ خاردار راستہ میں نہیں چلے) حضرت عمرؓ نے کہا "ہاں" چلا ہوں) ابی بن کعبؓ نے پوچھا ماذا فعلت (اس وقت آپ نے کیا کیا) جواب دیا "شمرت واجتهدتُ" (دامن سمیٹ لیا اور کوشش کر کے نکل گیا۔) ابی بن کعبؓ نے فرمایا "فذلك التقوىٰ" (بس یہی تقویٰ ہے) یعنی زندگی کی راہوں میں نفس و شیطان نے بہت سے کانٹے بچھا دیئے ہیں۔ خاردار جھاڑیاں کھڑی کر دی ہیں ان کانٹوں اور جھاڑیوں سے بچ کر زندگی گذارنے کا نام تقویٰ ہے۔

زندگی میں "تقویٰ" پیدا ہونے کے بعد اللہ کے ساتھ "چالاکی" کا رویہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری اس وقت بھی باقی رہتی ہے جبکہ اپنے فائدے اور غرض کو قربان کرنا پڑے، اسی طرح تقویٰ پیدا ہونے کے بعد ان چیزوں میں بھی اپنا حساب لیا جاتا ہے جن میں آسانی سے شرعی عذر تلاش کر کے اپنے آپ کو چھوٹ دی جا سکتی ہے۔

"حج" کو اللہ سے محبت کا رشتہ مضبوط کرنے میں خاص دخل ہے، یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب محبوب کی محبت میں اس کی زیارت کا شوق ہوتا ہے تو اس کی طرف جن چیزوں کی نسبت ہے۔ ان کی زیارت کا بھی شوق ہوتا ہے، خانہ کعبہ کی نسبت چونکہ اللہ کی طرف ہے اور اللہ بندہ کا محبوب ہے اس لیے محبوب کی طرف بالنسبت ہی اس کی زیارت کا مشتاق بنانے کے لیے کافی ہے پھر الٰہی صورت

میں یہ شوق اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ محبوب اپنی طرف نسبت کی ہوئی چیزوں کی زیارت میں اجر و انعام کا وعدہ کرے اور ان کی زیارت کو اپنی رضامندی حاصل ہونے کا ذریعہ قرار دے۔

"حج" میں خانہ کعبہ کی زیارت کے علاوہ ان "یادگاروں" سے بھی تعلق قائم ہوتا ہے جو اللہ سے بے پناہ محبت اور اس کی راہ میں اعلیٰ درجہ کی قربانی پیش کرنے کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہیں، خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کی دوڑ اور حجرِ اسود کے پاس اللہ سے دعا و مناجات وغیرہ۔ حج کا کون سا کام ایسا ہے جو عشق و محبت میں ڈوبا ہوا نہ ہو۔

"حج" میں اللہ کے ان بندوں سے بھی تعلق قائم ہوتا ہے جنہوں نے اللہ کی محبت اور اس کی مرضی میں خود کو فنا کر دیا ہے، پھر اللہ کے جلووں کی چمک کے آگے ان کی کوئی چیز نہ باقی رہی۔ جن لوگوں کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی زندگی کے واقعات معلوم ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کس کس طرح اللہ کی محبت و مرضی میں اپنے کو فنا کیا ہے ان سے اور ان کی یادگاروں سے تعلق، اللہ سے عشق و محبت پیدا کرنے میں "اکسیر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح یہ پانچوں ارکان صرف عبادت ہی نہیں بلکہ پوری زندگی کو عبادت کے رنگ میں رنگنے والے ہیں اس رنگ کے بعد زندگی میں یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی کاروبار و مشغلہ ایسا نہیں رہ جاتا ہے کہ جس کا رشتہ اللہ سے نہ جڑا ہو جو کام خالص دنیا کے سمجھے جاتے ہیں جیسے شادی بیاہ خرید و فروخت، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ وہ بھی اللہ سے رشتہ جوڑ کر دین میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان میں مشغولیت بھی عبادت کے وسیع دائرہ میں آجاتی ہے پھر دین و دنیا کی "دو رنگی" ختم ہو جاتی ہے اور ہر کاروبار و مشغلہ میں صرف ایک رنگ رہ جاتا ہے اور وہ ہے اللہ کا رنگ۔

دین و دنیا کی دو رنگی چھوڑ کر ایک رنگ میں آجانا کوئی آسان کام نہیں ہے، مکر و فریب کی اس دنیا میں یہ کام اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے بندہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) میں استعانت کے معنی مدد مانگنا ہے جس طرح عبادت کا تعلق پوری زندگی سے ہے، اسی طرح استعانت کا تعلق بھی پوری زندگی سے ہے، جس طرح عبادت صرف اللہ کی ہے اسی طرح استعانت (مدد مانگنا) بھی صرف اللہ سے ہے یعنی زندگی کے تمام حالات و معاملات اور کاروبار و مشغلہ میں ہم صرف اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ کی عبادت اور اس سے مدد مانگنے کا اعلان نَعْبُدُکَ اور نَسْتَعِیْنُکَ (ہم آپ کی عبادت کرتے اور آپ سے مدد مانگتے ہیں) سے بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں دوسروں کی عبادت

اور دوسروں سے مدد مانگنے سے انکار نہیں پایا جاتا ہے جبکہ مقصود دوسروں کی عبادت اور مدد مانگنے سے انکار بھی ہے لفظ اِیَّاکَ (آپ ہی سے) اس بنا پر لایا گیا کہ عبادت و مدد مانگنا صرف اللہ کی ذات سے خاص ہو جائے، کسی اور سے دونوں کا تعلق نہ باقی رہے، عربی زبان میں "کَ" کے بجائے اِیَّاکَ اسی جگہ لایا جاتا ہے جہاں ایک کے لیے کوئی بات خاص کرنی ہوتی ہے اور سب سے انکار مقصود ہوتا ہے، اس کے لیے اُردو زبان میں لفظ "ہی" اور "صرف" لایا جاتا ہے، اسی بنا پر ترجمہ میں لفظ "ہی" یا "صرف" بڑھانا ضروری ہے جس کے بغیر ترجمہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔

آیت میں صرف ایک کے اعلان اور سب سے انکار کے بعد اب بندہ کے پاس نہ (اللہ کے سوا) کسی کو کچھ دینے کے لیے رہ جاتا ہے اور نہ اللہ کے سوا) کسی سے کچھ لینے کے لیے رہ جاتا ہے دینے کی چیز عبادت (جس کے دائرہ میں پوری زندگی آجاتی ہے) ہے جو صرف اللہ کو دیتا ہے اور لینے کی چیز مدد ہے (وہ بھی رحمت کی مدد جس کے دائرہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے) جو صرف اللہ سے مانگتا ہے۔

اُوپر کی آیتوں میں اللہ کا تعارف اس کی پروردگاری، رحم و کرم اور عدل و انصاف کی نسبت سے ہے اس آیت (اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) میں انسان کا تعارف اس کے دینے اور لینے (عبادت و استعانت) کی نسبت سے ہے کسی کی پہچان کے لیے "دینا اور لینا" بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو کیا دیتا اور کس طرح دیتا ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص کسی سے کیا لیتا اور کس طرح لیتا ہے؟ ان دونوں سے انسان کی عظمت و بڑائی اور اس کی قدر و منزلت کا "پیمانہ" مقرر ہوتا ہے دینے اور لینے کا تعلق جب اللہ سے خاص ہو گیا تو سب کی آقائی ختم ہو کر صرف اللہ کی آقائی رہ گئی اور سب کی غلامی سے دست برداری ہو کر صرف اللہ کی غلامی باقی رہی۔

یہ آیت دراصل انسان کی آزادی کا خود اس کی زبانی سب سے بڑا اعلان ہے جو کتاب الٰہی کے سب سے پہلے سبق میں کرایا جاتا ہے اور جس کے بعد ذہنی و فکری، ظاہری و باطنی ہر قسم کی غلامی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ انسان کی زندگی میں سب سے بڑا انقلاب وجود میں آتا ہے جو توحید (ہر طرح اللہ کو ایک ماننا اور سمجھنا) کا عقیدہ اپنے ساتھ لاتا ہے اور ایمان لاتے ہی اس انقلاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا اثر زندگی میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دورنگی ختم ہو کر اس میں یک رنگی پیدا ہو جاتی اور مخلوق سے مرعوبیت ختم ہو کر ہر گوشہ میں اللہ کی رضامندی مقصود بن جاتی ہے، پھر بندہ کی ہر حرکت و عمل سے یہ صدا آنے لگتی ہے۔ اِلٰہِیْ اَنْتَ مَطْلُوْبِیْ وَرِضَاکَ مَقْصُوْدِیْ

(اے میرے اللہ آپ میرے مطلوب ہیں اور آپ کی رضامندی میرا مقصود ہے)

زندگی کے حالات و معاملات اور کاروبار و مشغلہ میں انسان کی اسی آزادی کا اعلان حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

متی استعبدتم الناس و	تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنالیا حالانکہ
قد ولدتھم امھاتھم احراراً	ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

(تاریخ عمر ابن جوزی)

اور زندگی میں اس انقلاب کا پیغام حضرت ربعی بن عامرؓ نے اس وقت بھی پہنچایا تھا جب کہ وہ یزدگرد (شاہ ایران) کے پاس سفیر بن کر گئے تھے اور ان سے سوال کیا گیا تھا تم کیوں آئے ہو تو رستم سے جواب میں فرمایا۔

اللہ ابعثنا لنخرج من شاء من	اللہ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اللہ
عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ	جسکو چاہے اس کو انسانوں کی غلامی سے
ومن ضیق الدنیا الی سعتھا	نکال کر ایک اللہ کی غلامی کی طرف لے
ومن جور الادیان الی	آئیں، دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس
عدل الاسلام۔	کی وسعت کی طرف لے آئیں اور مذہبوں
(البدایہ والنہایہ ج۔ ابن کثیر)	کے ظلم و ستم سے نجات دے کر اسلام کے
	عدل و انصاف کی طرف لے آئیں۔

بات صرف اپنی آزادی پر نہیں ختم ہوتی بلکہ دوسروں کو آزاد کرانے کی ذمہ داری تک جاتی ہے، یہ آزادی کی دنیا غلامی کی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس دنیا میں رہنماؤں، پیشواؤں کی غلامی ان کے مذہب کی وہم پرستی، بیجا سختی، ناقابل عمل پابندی اور گروہ بندی وغیرہ نہیں ہیں جو دل و دماغ کو کچل دیتی اور انسانیت کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں ہر بگڑے ہوئے مذہب میں رواج پا جاتی ہیں جن کی بنا پر مذہب خود ظالم و آزادی کا دشمن قرار پاتا ہے۔ حضرت ربعی بن عامرؓ نے اپنے زمانہ کے مختلف مذاہب میں یہ ظلم و ستم دیکھے تھے جس کی بنا پر فرمایا کہ اللہ نے ہم کو ظلم سے نجات دہندہ بنا کر بھیجا ہے اور اسلام کے عدل و انصاف کا داعی بنایا ہے۔

اس موقع پر عامیانہ سطح کا ایک شبہ دور کر دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان چھوٹے بڑے کام کے لیے دوسرے سے مدد لیتا ہے یہاں تک کہ عبادت میں بھی دوسرے

کی تعلیم و تربیت سے مدد لی جاتی ہے۔ پھر مذکورہ ٹکڑا (اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ـــ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں) میں ہر مدد سے انکار نہ صرف واقعہ کے خلاف ہوگا بلکہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان بے کار ہو کر رہ جائے گا اور دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔

کہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مدد سے انکار میں وہ مدد مراد نہ ہوگی جو ایک انسان دوسرے انسان سے لیتا یا مانگتا ہے بلکہ وہ مدد مراد ہوگی جو اس سے اونچی ہوتی ہے، اس کے بعد ہوتی اور اس وقت مانگی جاتی ہے جب کہ انسانی مدد کے مواقع نہیں حاصل ہوتے یا مواقع تو حاصل ہوتے ہیں لیکن ان میں ناکامی ہوتی ہے جیسے بزرگوں کی روحوں، ان کی تصویروں، ان کے مجسموں یا ان کے نام کے بتوں سے یہ سمجھ کر مدد مانگی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے کام میں دخیل بن کر کام کرا سکتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ کی مدد سب سے بڑی مدد اور اس کا سہارا سب سے بڑا سہارا ہے جس کو بندہ تسلیم کرتا ہے (اور اللہ کے ماننے والے ہمیشہ اس کو تسلیم کرتے رہے ہیں) لیکن اس مدد اور سہارے کو حاصل کرنے کے لیے بھی بطور وسیلہ اور ذریعہ بڑے اور بزرگوں سے ان کے انتقال کے بعد مدد مانگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کا دربار بھی بادشاہوں اور عہدہ داروں جیسا ہے کہ جس طرح ان لوگوں کے یہاں وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر کام نہیں ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے یہاں بھی وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر کام نہیں چلتا ہے اس کے لیے ان بڑوں اور بزرگوں کو موزوں ترین سمجھا جاتا ہے جن کے کارہائے نمایاں سے لوگ واقف ہوتے ہیں اور جن کی مدد سے زندگی میں لوگوں کے کام بنتے رہے ہیں۔ انہیں کو انتقال کے بعد اللہ کے اختیار و تصرف میں دخیل مان کر وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، معمولی لوگوں کو نہ زندگی میں اہمیت دی جاتی ہے۔ اور نہ مرنے کے بعد کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

یہ "مدد" جن کاموں میں مانگی جاتی ہے اگر یہ کام ہو گئے تو کام ہو جانا حق اور جائز ہونے کی دلیل قرار پاتا ہے حالاں کہ کام ہونا نہ ہونا کسی بات کے حق و ناحق یا جائز و ناجائز ہونے کی دلیل کبھی نہیں رہا اگر یہ دلیل مان لی جائے تو جس طرح بڑے اور بزرگوں سے مدد مانگنے کے بغیر کام ہوتے نظر آتے ہیں اسی طرح بتوں سے مدد مانگنے کے بعد بھی کام ہوتے نظر آتے ہیں، پھر ان لوگوں کے بھی کام ہوتے ہیں جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتے ہیں اگر کام ہونے نہ ہونے کو حق و ناحق اور جائز و ناجائز کی دلیل مانا گیا تو بڑوں اور بزرگوں کی بات دور رہی خود اللہ کو ماننے کی بات خطرے میں پڑ جائے گی، پھر

باقی ص ۴۳ پر

قرآن مجید اور رمضان المبارک کا ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کا ایک خطاب جمعہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ رمضان المبارک کے بعد، شوال المکرم ۱۴۰۵ھ کو پانچ یوم کے دعوتی دورے پر کراچی تشریف لائے تھے۔ اس دوران ۹ شوال المکرم ۱۴۰۵ھ (۲۸ جون ۸۵) کے جمعہ کو موصوف نے شمالی ناظم آباد بلاک اے کی وسیع و عریض جامع مسجد میں اس مناسبت سے کہ ماہ رمضان المبارک کو گزرے آٹھ روز ہوئے تھے، مندرجہ بالا موضوع پر خطاب جمعہ ارشاد فرمایا۔ جسے کیسٹ سے منتقل کر کے قدرے حک و اضافہ کے ساتھ استفادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے (جمیل الرحمٰن)

الحمد للہ۔ الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ افضلھم وخاتم النبیین محمدن الامین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ــــ امّا بعد

فقد قال اللہ تبارك وتعالیٰ فی سورۃ یونس:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ۔ صدق اللہ العظیم

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَ الشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ فَیُشَفَّعَانِ ــــ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ۔ اللھم ربنا الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ آمین یا رب العلمین۔

حضرات! رمضان المبارک کو رخصت ہوئے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے ہیں۔ میں نے اس کی مناسبت سے آج کے لیے یہ طے کیا کہ رمضان المبارک کی فضیلت کی جو بنیاد اور اساس ہے اور قرآن مجید کی جس عظیم آیت مبارکہ میں رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے اور اس کا اختتام جس موضوع پر ہوا ہے، اس کے ضمن میں کچھ باتیں اختصار کے ساتھ گوش گزار کروں ــــ روزہ ایک عظیم عبادت ہے۔ اس کی اپنی جگہ ایک حکمت ہے۔ اس کے مقصد اور اس کی غرض وغایت کا معاملہ ہے۔ سال کے کسی بھی مہینہ کو اس عبادت کے لیے منتخب کر لیا جاتا تو روزہ کا جو اصل مقصد ہے وہ حاصل کیا جا سکتا تھا یعنی ضبطِ نفس، تقویٰ جیسا کہ ارشاد فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ یعنی یہ کہ انسان میں یہ صلاحیت اور یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے حیوانی داعیات اور تقاضوں پر قابو رکھ سکے۔ اس میں جو حیوانی جبلتیں (Animal Instincts) ہیں، اور یہ حیوانی جبلتیں اندھی اور بہری ہیں۔ انہیں صحیح و غلط، جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں تمیز کی صلاحیت حاصل نہیں ہے۔ پیٹ کھانے کو مانگتا ہے اُسے تو کھانے کو چاہیئے۔ اس کو اس سے غرض نہیں کہ وہ جائز ہے کہ ناجائز ہے۔ حلال سے حاصل کیا گیا ہے یا حرام سے ــ اسی طرح انسان کی جنسی خواہش ہے جب یہ انگڑائیاں لیتی ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ انسان بالعموم اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے۔ وہ تو اپنے اس جذبہ کی تسکین چاہتا ہے اس کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ جائز کیا ہے ناجائز کیا ہے! اب اگر کوئی شخص اپنے ان حیوانی تقاضوں کا محکوم اور غلام بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کے روپ میں اصل میں وہ حیوان ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ کثیر تعداد میں انسان ایسے ہیں کہ جن کی اصل حیثیت یہ ہے کہ: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط "وہ چوپاؤں کے مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے"۔ درحقیقت انسان کہلانے کا حقدار وہ ہے کہ جس کی خودی اتنی قوی ہو کہ وہ اپنے وجود پر حاکم ہو۔ اپنی حیوانی جبلتوں کو اپنے قابو میں رکھ سکے۔ اپنے نفس کے تقاضے پورے کرے لیکن صرف جائز ذرائع سے۔ ظاہر بات ہے کہ ایک مسلمان کے لیے قانونی اور جائز طریقہ کیا ہے! صرف وہی جس کی اجازت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمائی ہے۔ بہرحال روزے کی اصل غرض وغایت یہ ہے۔

میں نے عرض کیا کہ تیس روزے اگر کسی مہینہ میں بھی رکھ دیئے جاتے تو یہ مقصد تو حاصل ہو جاتا۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک اضافی حکمت یہ شامل فرمائی کہ اس عظیم عبادت کے لیے مہینہ وہ منتخب فرمایا جو

نزولِ قرآن کا مہینہ ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ۔" رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا"۔ وہ قرآن کیا ہے! هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۔" یہ (قرآن) لوگوں کے لیے صحیح راستہ بتانا اور صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ یہ (قرآن) ہے حق و باطل کے درمیان کھلے دلائل کے ساتھ امتیاز کرنے والی ہدایت"۔ اب اس مہینہ کے روزے رکھو۔ اضافی طور پر اس میں رات کا قیام شامل کر دیا گیا۔ احادیث میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں بالکل متوازی بیان ہوتی ہیں جیسے فرمایا: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔" جس کسی نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے (یعنی روزے کی تمام شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اس کے لیے مغفرت ہے بخشش ہے، معافی ہے ان گناہوں کی جو اس نے پہلے کیے"۔ یہی بشارت رمضان کے رات کے قیام کے لیے دی گئی۔ شروع میں میں نے آپ کو ایک حدیث سنائی تھی جو امام بیہقیؒ حدیث کی اپنی کتاب 'شعب الایمان' میں لائے ہیں۔ میں وقت کی کمی کی وجہ سے اس حدیث کا صرف ترجمہ بیان کر دیتا ہوں۔ جس سے مزید واضح ہو جائے گا کہ رمضان میں دن کا صیام اور رات کا قیام متوازی پروگرام ہیں۔ ان کا چولی دامن کا تعلق ہے۔ اب ترجمہ سماعت کیجیے:

" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کے حق میں سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!)۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا۔ خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لیے جنت و مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا"

میں نے جن احادیث کا حوالہ دیا ہے ان سے یہ بات مبرھن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اصل میں رمضان کا پروگرام دو آئٹم ہے۔ دن میں صیام اور رات کو قیام۔ اور یہ قیام صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو درحقیقت صرف تین روز تہجد کے وقت صحابہ کرامؓ کو باجماعت وہ نماز ادا کرائی جسے اب صلوٰۃ التراویح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے روک دیا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔

یہ آپؐ کی امت کے حق میں شفقت و رحمت ہے۔ بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اصحاب الرائے اور اکابر صحابہ کرامؓ کے مشورے اور اس تحقیق کے بعد کہ رمضان المبارک میں رات کی نفل نمازوں کا حضورؐ کا اکثر اور زیادہ معمول کیا تھا اور اس دلیل کی بنیاد پر کہ حضورؐ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد نبوت اور وحی کا سلسلہ ابدالآباد تک ختم ہو گیا لہٰذا اب کوئی عبادت فرض کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حضورؐ سے رمضان المبارک میں ان نوافل کی باجماعت ادائیگی ثابت ہے، انہوںؓ نے عشاء کی نماز کے بعد صلوٰۃ التراویح، کا نظام قائم فرمایا جو آج تک جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ اِسے اس اصول کے تحت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔ کہ کم از کم یہ تو ہو جائے کہ صلوٰۃ التراویح مسلمان باجماعت ادا کر لیں اور سال بھر میں ایک مرتبہ اس طریقہ سے باجماعت قرآن مجید ختم کر لیا جائے۔

لیکن یہ بات جان لیجئے کہ یہ کم سے کم ہے۔ حقیقت میں رمضان کی جو حکمت ہے، اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دن روزہ کی حالت میں بسر ہو اور رات قرآن مجید کے ساتھ قیام کرتے ہوئے گزرے۔ بہرحال ان دونوں چیزوں کا جو حاصل ہے اُسے قرآن مجید میں بایں الفاظ مبارکہ بیان کیا گیا: وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ ایک تو یہ کہ تم تعداد پوری کرو۔ یعنی سفر یا کسی مرض کی وجہ سے چند روزے چھوٹ جائیں تو بعد کے دنوں میں ان کی قضا ادا کرو۔ اور پھر صیام و قیام کے اصل حاصل کے متعلق فرمایا: لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ "اور تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو، اس کی کبریائی کو بیان کرو اس ہدایت پر جو اس نے تمہیں عطا فرمائی ہے"۔ یہاں تکبیر سے مُراد ہے گہرے احساس کے ساتھ اور دلی اعتراف کے ساتھ قرآن حکیم اور اللہ کی عظمت و جلالت کو تسلیم کرنا اور اپنے نفس کی جائز خواہشات سے بھی اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی کے لیے صیام و قیام کی صورت میں دست بردار ہو جانا۔ یہ گویا حال و قال دونوں شکلوں میں اللہ کی تکبیر ہے۔ آگے فرمایا: وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ "اور تاکہ تم شکر کر سکو"۔ تم پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام اور احسان ہے ہم پر کہ اس نے اپنی یہ کتاب ہدایت، قرآن مجید، فرقانِ حمید ہمیں عطا فرمائی ہے جب تک کہ اس انعام و اکرام احسان و نعمت کی قدر و قیمت کا انکشاف نہیں ہوگا اس کی مناسبت سے ہم شکر ادا نہیں کر سکتے۔

"مفردات امام راغب" کے نام سے امام راغب اصفہانیؒ کی ایک مشہور کتاب ہے جو عربی زبان میں بھی دستیاب ہے اور اُردو میں بھی اس کے تراجم موجود ہیں۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں "شکر" کے موضوع پر بڑی پیاری بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شکر کے تین مدارج و مراحل ہیں۔ کسی نے آپ پر کوئی

احسان کیا یا کسی نے آپ کو کوئی نعمت عطا کی۔ اب شکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آپ کے دل میں قدر ہو کہ کتنا بڑا احسان آپ پر کیا گیا ہے یا یہ کہ کتنی بڑی نعمت آپ کو دی گئی ہے۔ یہ پہلا درجہ ہے اگر یہی نہیں ہے تو شکر کیا ادا کریں گے! میں اس کے لیے مثال دیا کرتا ہوں کہ اگر کسی بچہ کے ہاتھ پر کوئی ہیرا رکھ دیا جائے تو اس بے چارے کو کیا پتہ کہ یہ ہیرا ہے یا کانچ کا کوئی ٹکڑا! جس کو معلوم ہے کہ یہ ہیرا ہے تو وہ اس عنایت یا عطیہ کا شکر ادا کرے گا جیسا کہ اس کا شکر ادا کیا جانا چاہیئے۔ اور جس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ ہیرا ہے، وہ اس احسان کی مناسبت سے شکریہ ادا نہیں کر سکے گا۔ پس پہلی چیز یہ ہے کہ نعمت کی صحیح معرفت حاصل ہو کہ میرے منعم نے مجھے کتنی بڑی نعمت عطا کی ہے۔ میرے محسن نے مجھ پر کتنا بڑا احسان فرمایا ہے۔ یہ ہے شکر بالقلب۔ یہ شکر کا پہلا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ ہے شکر باللسان۔ کسی کی عطا کردہ نعمت اور کسی کے کیے گئے احسان کا ہم زبان سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی جو عظمت اور قدر ہے، جس کا انکشاف ہم پر ہونا چاہیئے اس کی جو معرفت ہمیں حاصل ہونی چاہیئے اس کے لیے میں نے بالکل آغاز میں سورۂ یونس کی جن دو آیات کی تلاوت کی ہے ان کی تشریح و توضیح تو میں آگے بیان کروں گا۔ لیکن قرآن مجید جیسی عظیم ترین نعمت کے نزول پر زبان سے جو شکر ادا ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ ہے کہ وہ بھی اس نے قرآن مجید ہی میں ہمیں تلقین فرما دیا۔ سورہ کہف کی پہلی آیت کو ذہن میں لائیے، فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ "کل شکر کل ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کتاب نازل فرمائی (قرآن نازل فرمایا) اور اس میں کوئی کجی، کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی"۔ بلکہ اسے كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ بنایا۔ روشن کتاب، واضح کتاب، کھلی کتاب۔ یہ گویا وہ شکریہ ہے جو اللہ نے ہمیں تلقین فرمایا کہ اس طرح میری جناب و حضور میں صدیہ تشکر پیش کرو۔ اب تیسرا درجہ اس احسان کا کیا ہے! نعمت کا حق ادا کرنا۔ اگر کسی طالب علم کو اس کے والد نے کوئی بہت اعلیٰ کتاب لا کر دی اور وہ بچہ بہت مہذب ہے اس نے فوراً اپنے والد کا شکریہ بھی ادا کر دیا۔ لیکن اس کے بعد جو اس کتاب کو رکھا تو پھر کبھی کھول کر نہ دیکھا تو یہ کفران نعمت ہے۔ اس نے حقیقتاً اپنے والد کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اس لیے کہ والد نے کتاب تو اس لیے دی تھی کہ وہ اس کو پڑھے، اس سے اپنے علم میں اضافہ کرے، اس میں جو اچھی اور عمدہ اخلاقی تعلیمات ہیں، پند و نصائح ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ یہ سب کچھ نہیں کر رہا تو حقیقت میں اس نے ناشکری کی ہے۔ اس نے ناقدری کی ہے۔ چاہے تہذیب کے ناطے سے اس نے زبان سے شکریہ ادا کر دیا ہو۔ حاصل کلام یہ کہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے شکریہ ادا کرنے کے لیے یہ تین مراحل و مدارج بیان کیے ہیں۔

اب ہے وہ چیز جو اس رمضان کا اصل حاصل ہونا چاہیئے۔ چنانچہ وہ آیت مبارکہ جس کے ضمن میں میں یہ گفتگو کر رہا ہوں، ختم ہو رہی ہے اس پر کہ: لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط۔ تاکہ تم پر عظمت قرآن کا انکشاف ہو۔ اور جب اس کی عظمت و جلالت کا تم پر انکشاف ہوگا تو تب ہی تم ہمارا حقیقی شکر ادا کر سکو گے۔ اتنا شکر کہ جتنا تم کو اس انعام عظیم پر کرنا چاہیئے۔ اب میں آپ میں سے ہر شخص سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے ذہن کو ٹٹولے، اپنے دل کی کیفیت کا جائزہ لے کہ اس پورے مہینے کی ریاضت سے اس کے تقویٰ میں، دین سے شغف میں، اللہ پر توکل میں، اللہ کے دین پر عمل کرنے کے معاملہ میں اس کی زندگی میں کتنا اضافہ ہوا! اس کے روز و شب میں، اس کی سوچ میں، اس کے فکر میں اس کے اعمال و اشغال میں کتنی کچھ تبدیلی رونما ہوئی! آخرت کے محاسبہ کا کتنا خوف اسکو دامن گیر ہوا! اس دین محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی سربلندی اور اس کی اقامت کا کتنا جذبہ اور داعیہ اسکے دل میں بیدار ہوا! وہ دین جس کے نام پر یہ ملک حاصل کیا گیا مغلوب ہے، غریب ہے۔ اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اس کا تمسخر کیا جا رہا ہے۔ اس کے احکام پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں۔ اس کے شعائر مٹائے اور بدلے جا رہے ہیں۔ معروفات کو دبایا اور منکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ کرنے والے غیر نہیں ہیں بلکہ اپنے ہیں۔ مسلمان کہلائے جانے والے ہیں۔

یوں تو رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں صیام و قیام اللیل کا پورے آداب و شرائط کے ساتھ اہتمام، جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان و احتساب سے تعبیر فرمایا ہے، محنت و مشقت طلب عبادت ہے ہی اور ہمارے معاشرہ میں بہت سے خوش نصیب لوگ ہیں جن کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہوگی کہ انہوں نے پورے مہینہ کی عبادت کو ادا کیا ہوگا۔ لیکن خاص طور پر اس سال یہ ریاضت کا معاملہ دوچند تھا اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ امسال کے مئی جون کے روزے بڑے ہی سخت تھے۔ آپ کے یہاں تو نسبتاً روزے کی سختی کم ہوگی۔ پنجاب میں اس سال رمضان میں جس شدت کی گرمی پڑی ہے شاید آپ اس کا پورا اندازہ نہ کر سکیں، لیکن کتنے اللہ کے بندے ہیں جنہوں نے اس کے باوجود صیام اور قیام اللیل کا اہتمام کیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ مقصد حاصل ہوا جس کے لیے پورے ایک مہینہ کی یہ عبادت فرض کی گئی ہے۔ قرآن مجید روزے کا بنیادی مقصد تقویٰ قرار دیتا ہے۔ وہ حاصل ہوا کہ نہیں! تقویٰ کا بنیادی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی نافرمانی سے شعوری طور پر بچ بچ کر زندگی بسر کرنا اور دین کے اوامر پر عمل پیرا ہونے کی پوری پوری کوشش کرنا۔ تو بدقسمتی سے اکثر و بیشتر ہمیں نظر یہ آتا ہے کہ یہ خانہ خالی ہے۔ الا ماشاء اللہ شاید

کوئی مستثنیٰ ہو۔ کوئی لاکھ میں ایک یا ہزار میں ایک ایسا خوش نصیب ہو کہ جتنی تقویٰ کی پونجی اس کی ۲۹ یا ۳۰ شعبان کو تھی، تو پورا ماہ رمضان گزارنے کے بعد ۲۹ ویں رمضان کو اس میں کچھ اضافہ ہوا ہو۔ ہماری معاش جوں کی توں! اس میں اگر حرام کا کوئی جزو ہے تو وہ جوں کا توں! ہماری معاشرت جوں کی توں! بے پردگی اور بے حجابی ہے تو جوں کی توں! مجال نہیں کہ کسی بھی پہلو سے ہماری زندگی کے مشاغل اور معاملات میں اس ایک مہینہ کی شدید ریاضت کے باوجود بھی کوئی تبدیلی آئی ہو۔ گویا کہ رمضان کے روزے اور تراویح بھی ایک رسم محض (Rituals) بن کر رہ گئے ہیں کہ ؎

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

ہم نے اسلام کی عظیم ترین عبادات کو بھی محض رسوم بنا کر رکھ دیا ہے۔ ہماری زندگی میں ان کی حیثیت بے مقصد رسومات سے زیادہ نہیں رہی۔ ان کا اصل ہدف، ان کا حقیقی مقصد، ان کی حکمت اور ان کی اصل غرض و غایت پیش نظر ہی نہیں رہیں۔

میں یہاں ایک خاص بات اور عرض کر دوں۔ جس کی طرف ہمارے اچھے خاصے دینی شغف اور دینی مزاج رکھنے والوں کی بھی توجہ شاید ہی منتقل ہوتی ہو، اور اگر ہوتی بھی ہو تو اس اہمیت کے ساتھ نہیں ہوتی جو اس کا حق ہے، وہ بات یہ ہے کہ سورہ بقرہ کا تئیسواں رکوع چھ آیات پر مشتمل ہے جس میں روزے کا ابتدائی حکم بھی اور آخری حکم بھی ہے، تفصیلی احکام بھی ہیں، روزے کی حکمتیں بھی ہیں اور اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ روزہ کی عبادت کے لیے رمضان کو کیوں منتخب کیا گیا! یہ ساری چیزیں بیان کرنے کے بعد اس رکوع کی چھٹی آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ تقویٰ کا اصل معیار کیا ہے! تم شکل و صورت اور وضع قطع سے کسی کے تقویٰ کا اندازہ کرتے ہو۔ تمہارا یہ تصور قابلِ اصلاح ہے، یہ درست ہے کہ اگر کوئی شخص وضع قطع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع میں آپ کے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتا ہے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں — لیکن اگر تقویٰ کا اصل معیار جاننا چاہتے ہو تو وہ چھٹی آیت ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اور تم ایک دوسرے کے مال باطل و ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ اور اس کو بطور رشوت دے کر حکام رسی کا ذریعہ مت بناؤ کہ اس طرح دوسروں کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کر کے ہڑپ

کرسکو درآں حالیکہ تم اس (حق تلفی) کو جانتے ہو۔"

وقت کی کمی کی وجہ سے تفصیل سے اس آیت کی تشریح و توضیح ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کا حاصل بیان کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔ یہ آیت اس پر دلالت قطعی ہے کہ اگر اکلِ حلال نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ نمازوں کی مقدار کتنی بھی آپ بڑھاتے چلے جائیں۔ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ آپ کرتے چلے جائیں۔ اگر اکلِ حلال نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ہے اصل پیمانہ! آخرت میں اس سے تولا اور ماپا جائے گا کہ تقویٰ ہے کہ نہیں! اکلِ حلال کی اہمیت ایک حدیث سے بھی سمجھ لیجئے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ حدیث قدرے طویل ہے اس کا آخری حصہ میری موجودہ بات سے متعلق ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ: ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ "پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو ایک طویل سفر طے کر کے آیا ہے"۔ اَشْعَثَ اَغْبَرَ "سفر کے باعث پراگندہ سر اور غبار آلود ہے[1]"۔ ان الفاظ مبارکہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کسی ایسے شخص کا ذکر فرما رہے ہیں جو حج کے لیے بیت اللہ شریف تک آیا اور پھر میدان عرفات تک پہنچا ہے:۔ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَآءِ "دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے"۔ اور کہتا ہے: يَارَبِّ يَارَبِّ ۔۔۔ "اے میرے پروردگار!"۔ لیکن کیفیت یہ ہے کہ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ ۔۔۔ "اور اس کا کھانا حرام کا ہے اور اس کا پینا حرام کا ہے اور اس کا پہننا حرام کا ہے"۔ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ "اور (الغرض) اس کا جسم پرورش پایا ہے حرام سے"۔ اَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ۔ "لہٰذا ایسے شخص کی دُعا قبول ہو تو کیسے ہو!" ۔۔۔ اس آیت اور اس حدیث کو پیش نظر رکھیے اور اس اعتبار سے معاشرہ کا جائزہ لیجئے تو واقعہ یہ ہے کہ بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور ہماری جو حالت رہتی ہے اس کے اظہار کے لیے میں یہ شعر پڑھا کرتا ہوں ؎

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے ۔ اس آرزو کے باغ آیا نہ کوئی پھول

نیکیوں کا موسم بہار ہر سال آتا ہے اور چلا جاتا ہے لیکن ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

دوسری چیز جو ہر مسلمان کو حاصل ہونی چاہیئے وہ ہے قرآن مجید کی عظمت کا انکشاف: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ اس اعتبار سے بھی ہر شخص اپنا جائزہ لے کہ کچھ پلّے پڑا کہ نہیں پڑا! قرآن مجید سے محبت اور قلبی تعلق میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں! قرآن مجید کی طرف پہلے سے زیادہ کچھ توجہ ہوئی یا نہیں ہوئی! قرآن مجید کی تلاوت کے لیے پہلے سے زیادہ کچھ آمادگی پیدا ہوئی یا نہیں ہوئی! قرآن مجید پر

[1] شارحین نے لکھا ہے کہ حالت سفر کی پراگندگی اور مسکینی والے شخص کی دعا جلد قبول ہوتی ہے (مرتب)

غور و تدبر کرنے کے لیے عربی زبان سیکھنے کا دل میں کوئی داعیہ پیدا ہوا یا نہیں ہوا!

عظمت قرآن کا بیان قرآن مجید میں بکثرت ہوا ہے۔ مختلف اسالیب سے ہوا ہے۔ مختلف پہلوؤں سے ہوا ہے۔ کسی شے کی عظمت ایک اس پہلو سے ہو سکتی ہے کہ اس کا اصل منبع (Source) کیا ہے! کہاں سے وہ چیز ملی ہے!! تو یہ قرآن کہاں سے آیا ہے! یہ کلام ربانی ہے۔ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ یہ گویا اللہ کی ایک صفت ہے اور اس تبارک و تعالیٰ کا ہم پر کس قدر عظیم احسان ہے کہ اس طریقہ سے اس نے ہمارے سامنے ہماری زبان کے حروف و اصوات میں اپنا کلام پیش فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کیف و کم[1] سے ماورا ہے۔ بلند ہے اُس تعالیٰ کی ہر صفت میں ایک اطلاقی شان ہے۔ لیکن اللہ نے انسانی زبان کے حروف و الفاظ اور اُن کی اصوات میں اپنی ایک صفت کو متشکل فرمایا اور وہ ہمیں عطا فرما دی یہ ہے قرآن کی وہ عظمت جو سورۂ حشر میں بیان ہوئی: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ "یہ قرآن اگر ہم اتارتے ایک پہاڑ پر تو تم دیکھ لیتے کہ وہ دب جاتا پھٹ جاتا اللہ کی خشیت سے، اس کے ڈر سے"۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جب یہ درخواست کی تھی کہ پروردگار! ذرا دیدار بھی عطا ہو جائے۔ پہلی بار بھی یہاں مجھے کلام کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اب پھر تو نے طلب فرمایا تو ذرا دیدار کا شرف بھی عطا ہو جائے: رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ کیا جواب ملا!: لَنْ تَرٰىنِيْ ۔ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے"۔ تم میری دید کا تحمل نہیں کر سکتے۔ لیکن ذرا اُس پہاڑ کی طرف دیکھو، ہم اپنی ایک تجلّی اس پر ڈالیں گے۔ اگر وہ پہاڑ اُسے برداشت کر جائے تو تم بھی سمجھنا کہ شاید ہمارے دیدار کا تم تحمل کر سکو۔ لیکن ہوا کیا! فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۔ "پھر جب اس کے رب نے تجلّی کی پہاڑ کی طرف تو اس کو ڈھا کر برابر کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے"۔ ایک بالواسطہ (Indirect) مشاہدہ ہے۔ وہ تجلّی براہِ راست حضرت موسیٰؑ پر نہیں ہے، پہاڑ پر ہے لیکن اس بالواسطہ مشاہدہ کا حامل یہ ہوا ہے جس کا نقشہ اس آیت کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے جو ابھی میں نے آپ کو سنائے۔ سورۂ حشر کی آیت میں اس کیفیت کو بطور تمثیل بیان فرمایا۔ اس لیے کہ کلام اللہ کی صفت ہے۔ جو اُس ذاتِ تبارک و تعالیٰ کی تجلّی کی کیفیت ہے جس کا مشاہدہ حضرت موسیٰؑ کو کرایا گیا وہی تجلّی کی کیفیت قرآن مجید میں مضمر ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہمارے قلوب حساس نہ ہوں۔ ہم اس کا شعور و ادراک نہ کر سکیں۔ ورنہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ

---

[1] کیف و کم یعنی Quality and Quantity (مرتب)

قرآن مجید کی یہ عظمت کس اعتبار سے ہے! اس اعتبار سے کہ اس کا منبع کون ہے! جس ہستی کا یہ کلام ہے، اس کی جلالت و عظمتِ شان کا عالم کیا ہے! عربی کا ایک مقولہ ہے: کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔ تو یہ کون سا بادشاہ ہے! یہ تو شہنشاہِ ارض و سماوات کا کلام ہے وہ کہ جو اس پورے سلسلۂ کون و مکان کا خالق و مالک ہے۔

قرآن مجید کی عظمت کا ایک اور بیان سورۂ یونس کی ان دو آیتوں میں ہے جن کی تلاوت میں نے بالکل آغاز میں آپ کے سامنے کی تھی۔ یہاں قرآن کی عظمت کا بیان اس پہلو سے ہے کہ قرآن میں انسانوں کے لیے افادیت کے پہلو کون کون سے ہیں! اللہ کا کلام ہونے کے اعتبار سے اس کی عظمت اور اس کی جلالتِ شان کا ایک اندازہ دینے کے لیے تو وہ تمثیل بیان ہوئی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں اس لیے کہ مطالب کی ادائیگی کے لیے انسانی زبان اور اس کے جو محدود پیمانے ہیں، وہ اس بات کے متحمل ہی نہیں ہو سکتے کہ قرآن کی عظمت کو بیان کیا جا سکے۔ چنانچہ سورہ حشر کی جو آیت میں نے آپ کو سنائی ہے اس کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ پر: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ "یہ تو مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے اس لیے بیان کر دیتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں"۔ تمثیل بیان کی جاتی ہے ابلاغ کے لیے ایک اندازہ دینے کے لیے۔ اور یہ درحقیقت ہماری ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمثیل کا محتاج نہیں وہ تو العلیم ہے، السبحان ہے، القدوس ہے۔ چنانچہ سورۂ نور کی پینتیسویں آیت کے آخر میں اسے بھی واضح فرما دیا گیا بایں الفاظ: وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ "اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے"۔

(جاری ہے)

بقیہ :- ھدایت القرآن

تو حق پر وہ ہوں گے جن کے کام ہو جاتے ہیں اور سب لوگ باطل پر ہوں گے جن کے کام نہیں ہوتے ہیں اور پھر کون ایسا شخص ہے کہ جس کے سارے کام ہو جاتے ہیں، سبھی کے کچھ کام ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتے ہیں اس بنا پر سبھی باطل پر قرار پائیں گے جس کو کوئی بھی نہیں تسلیم کرتا ہے۔

(جاری ہے)

ربٰوا

محترم منصور احمد صاحب بٹلا کا یہ فکر انگیز مقالہ ہمیں کتابی شکل میں موصول ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں فاضل مقالہ نگار کی جانب سے پیش لفظ کو بھی شامل کیا گیا ہے، مقالے کے مطالعے سے قبل، ہماری خواہش ہوگی کہ آپ حرف اول، صفحہ ۳ پر ایک نظر ضرور ڈال لیں۔ شکریہ (ادارہ)

پیش لفظ

اس مقالے میں ربٰوا کی شرعی حیثیت پر بحث نہیں کی گئی۔ صرف ربٰوا کی ممانعت کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ معاشرے سے ربٰوا کی مانند دوسری بنیادی برائیوں کو ختم کئے بغیر ترکِ ربٰوا کے قانون سے معاشرتی اصلاح کا پہلو پورا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ صفحہ ۱۱ سے ۱۷ تک انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اسلام کے معاشی نظام میں تجارتی لین دین کے مدھم سے خدوخال پیش کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہی پہلو اس نظام کا اوّلین جزء ہے۔ جس سے اسلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

اس مقالے کے آخر میں حضرت مولٰینا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ کی ایک تقریر سے کچھ اقتباس شامل کیا گیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیئے کہ حضرت نے یہ مقالہ ملاحظہ فرمایا ہے یا حضرت اس مقالے کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ یہ مقالہ ہمارے اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ اس مقالے میں اقتباس کی شمولیت اس کی اہمیت کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ خاکسار منصور احمد بٹلا

جون ۱۹۸۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِسلام کے معاشی نظام میں رِبوا کی ممانعت کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے ہم سب واقف ہیں۔ لیکن رِبوا کی ممانعت کا صحیح مفہوم اور مقصد ہمارے ذہن میں واضح نہیں ہے آج ساری دنیا کی نگاہیں ایسے معاشی نظام کی تلاش میں لگی ہوئی ہیں۔ جس سے دکھی انسانیت کے مسائل حل ہوں اور انسان کی زندگی اور معاشی جدوجہد میں توازن پیدا ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام کا معاشی نظام انسانیت کے معاشی مسائل کا حل ہے لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان بھی بنیادی مسائل حل کرنے کی بجائے مالیات کے موجودہ طریقوں میں معمولی ردوبدل پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دنیا کے مروجہ استحصالی معاشی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینے کی بجائے اس کی صرف ایک کڑی کو کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ کڑی بھی آخری کڑی ہے۔ اس سے پہلے کی تمام کڑیوں کو اسی طرح بحال رکھ رہے ہیں۔ اس صورتِ حال پر دوسری اقوام مسلمانوں کا مضحکہ اڑا رہی ہیں۔

انسانیت کو تباہ کرنے والی دوسری اہم برائیاں مثلاً گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری بھی معاشرے کی تباہی میں رِبوا کی طرح ہی اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور معاشرتی توازن کے لئے مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ اِن برائیوں کے خلاف روایتی طور پر آوازیں تو بلند کی جاتی ہیں لیکن اِن کو ختم کرنے کے لئے کوئی موثر اور مربوط حکمت عملی اختیار نہیں کی جاتی۔ ان برائیوں نے پوری دنیا پر جو نتیجے مرتب کئے ہیں۔ وہ بھی سب

کے سامنے ہیں چند برس پہلے اجارہ داری کے ذریعے تیل برآمد کرنے والے ممالک (OPEC) نے دنیا کو گرانی کے جس بھنور میں پھنسایا۔ اس کے غریب ممالک پر جو اثرات پڑے وہ سب کے علم میں ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کی تباہ حالی اور غربت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس سے بنی نوعِ انسان کو جو نقصان پہنچا وہ تو الگ بات ہے خود تیل سے کمائی ہوئی دولت نے اُن کے اپنے معاشرے میں جو خرابیاں اور بداخلاقی پیدا کی وہ سب کے سامنے ہیں۔ اب یہی تیل پیدا کرنے والے ممالک ذخیرہ اندوزی یعنی تیل کو کنوؤں میں ہی جمع رکھنے کے عمل سے مہنگائی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف مغربی ممالک نے دیگر اہم وسائل، علم وفن اور صنعت و دولت پر اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہے۔ اِن شعبوں میں ساری دُنیا اُن کی محتاج ہے۔ اسی طرح اسلحہ پر بڑی طاقتوں کی اجارہ داری ہے۔ وہ جب چاہیں جس ملک پر قبضہ کرلیں۔ جس ملک کو چاہیں اسلحہ دیں۔ جسے چاہیں روک دیں۔ کسی کو فتیاب کرادیں کسی کو شکست دلوادیں۔ اِن بڑی طاقتوں کی ایٹمی اسلحہ پر بھی اجارہ داری ہے اور ان کے پاس ایٹم بموں کی ایسی ذخیرہ اندوزی ہے کہ وہ جب چاہیں ساری دنیا کو مکمل تباہی سے ہم کنار کرسکتے ہیں۔ یہ سب اجارہ داری اور ذخیرہ اندوزی کی برائیوں کے سبب سے ہے۔

بین الاقوامی سطح پر گراں فروشی اور منافع خوری ہی وہ اسباب ہیں جس کی وجہ سے ترقی پذیر ممالک اپنے قرضہ جات ادا کرنے کے قابل نہیں ہوپاتے۔ کیونکہ جو اشیاء امداد اور قرضے کے ذریعے ان ملکوں کو ملتی ہیں، اُس میں سود کی شرح اتنی اثرانداز نہیں ہوتی جتنا اشیا کی غیر معمولی قیمتیں بھاری پڑتی ہیں۔ اس طرح امداد اور قرضے کی اصل رقم تجارت کے ذریعے منافع سے شروع میں ہی وصول ہوجاتی ہے اور اصل رقم بمعہ سود باقی رہ جاتی ہے۔ اس طریق کار میں ترقی پذیر ممالک کا قصور نہیں۔ اس لئے کہ گراں فروشی اور منافع خوری تجارتی لین دین میں ساری دنیا میں عام ہے جس میں ترقی پذیر ممالک بھی شامل ہیں۔

ان سب برائیوں سے بھی بڑی برائی جو معاشرت اور معیشت دونوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے حُبِّ مال ہے یہی تمام معاشی برائیوں کی بنیاد ہے۔ اسی سے ساری معاشی

خرابیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ حُبِّ مال کے نتیجے میں انسان دولت کو جمع کرتا چلا جاتا ہے۔ اُسے مفادِ عامہ کے لئے صرف کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رِبٰوا کی طرح جمع مال کے لئے بھی بڑی وعید فرمائی ہے لیکن اس بُرائی میں ظاہری اور وقتی کشش اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ایسی سخت وعید کے باوجود افراد اور اقوام دونوں اپنی استعداد اور حالت کے مطابق جمع مال کرتے چلے جاتے ہیں۔ جمع مال سے ہمیں روکنے کے لئے ارشاداتِ قرآنی یوں ہیں:

واعلموا ۱۰ — التوبة ۹

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

(ترجمہ از مولٰینا فتح محمد صاحب جالندھری)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے اُن کو اُس دن کے عذابِ الیم کی خوشخبری سنا دو، جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائیگا۔ پھر اُس سے اُن (بخیلوں) کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائیگا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو۔

عم ۳۰ — الهمزة ۱۰۴

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدْرٰٮكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا اور اُس کو گن گن کر رکھتا ہے (اور) خیال کرتا ہے کہ اُس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ خدا کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر جا لپیٹے گی۔

ارتکازِ زر یعنی مال جمع کرتے رہنا اور اس کی طاقت پر تجارت میں ذخیرہ اندوزی، اجارہ داری، منافع خوری یا رِبٰوا کی آمدنی حاصل کرنا ایسی برائیاں ہیں جن سب کے خلاف اسلام کا معاشی نظام اعلانِ جنگ کرتا ہے اور انسانیت کو اپنی جکڑ میں لینے والی اس زنجیر کو کاٹتا ہے۔ اس زنجیر میں یہ سب برائیاں کڑیوں کی طرح ایک دوسرے میں

پیوست ہیں۔ رِبوٰا کی آمدنی اس کی سب سے آخری کڑی ہے اور آخری کڑی اس وجہ سے ہے کہ یہ استحصالی نظام کا انجام ہے آغاز نہیں ہے نتیجہ ہے، سبب نہیں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے آخری سال یعنی تیئس برس بعد اس برائی سے سختی کے ساتھ روکا۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے معاشرے کی مکمل تطہیر کی، اخوت و مساوات کے اصول قائم فرمائے اور زیادہ منافع خوری، گراں فروشی، فضول خرچی، اخراجات میں عدم توازن اور معاشرت میں تفاوت سے مسلمانوں کو منع فرمایا اور اس طرح معاشرے کو پاک کیا۔ یعنی افرادِ معاشرہ میں ایثار و قربانی، خدمت و محبت، اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا اور صرف اپنے مفاد کی بجائے پورے معاشرے کے مفادات کا خیال رکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ صحابۂ کرام کی زندگیاں انہیں تعلیمات کا عملی نمونہ تھیں۔ وہ خود تکلیف اُٹھاتے تھے اور دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ منوّرہ پہنچے تو انصار نے اپنے تمام مال و متاع کا نصف اُن کو پیش کر دیا۔

جب مسلمانوں کی زندگی میں نواہی سے رُکنے اور اوامر پر عمل کرنے اور بالخصوص دوسروں کی اعانت، مساوات اور اخوت کی صفات پختہ ہوگئیں۔ تجارت اور معاملات میں سچائی اور دیانت داری آگئی تو استحصال کی آخری شکل یعنی راس المال پر زائد وصول کرنا سختی سے منع کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ بات اُسی وقت سمجھ میں آسکتی ہے۔ جب انسان کا مزاج مکمل طور پر اسلامی سانچے میں ڈھل چکا ہو اور وہ حقیقی معنوں میں مومن بن جائے، انفرادی عمل میں تو ہر برائی کو چھوڑنا جس میں رِبوٰا بھی شامل ہے ایمان لانے کے فوراً بعد لازم آجاتا ہے۔ لیکن رِبوٰا کی قانونی ممانعت مکمل اسلامی معاشی نظام کا ایک حصہ ہے اس لئے ملکی قوانین اور انتظامی امور میں رِبوٰا کی ممانعت کا اطلاق مکمل اسلامی معاشی نظام کے قیام میں سب سے آخر میں آتا ہے۔ یعنی اُس وقت جب معاشرہ مکمل طور پر اسلام کے اصولوں پر استوار ہو جائے جس کا مقصد انسانیت کی بھلائی کے لئے مال کا خرچ کرنا اور نیکی کمانا ہو مال کا کمانا نہ ہو۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص مومن ہے۔ اُس کے دل میں اللہ کا خوف آخرت میں ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر ہے۔ یہ یقین ہے کہ موت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔ سب مسلمانوں کو وہ آپس میں بھائی بھائی سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے پاس ایک کروڑ روپے ہیں تو کیا وہ اس روپے کو دوسرے مسلمان بھائیوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی تدبیر سوچے گا اور آخرت کی کمائی کرے گا یا اُس سے مزید ۱۵ لاکھ روپے سالانہ آمدنی حاصل کرکے اپنا سرمایہ بڑھانے کی خواہش کرے گا؟ اسی طرح اگر کوئی شخص فاضل روپے سے جائداد بنا کر کرائے پر اٹھائے تو وہ زیادہ سے زیادہ کرایہ وصول کرکے اپنی دولت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے گا یا لوگوں کو کم کرائے پر مکان مہیا کرے گا؟ اگر وہ شخص تاجر ہے تو کیا وہ گراں فروشی اور منافع خوری کے ذریعہ اپنی دولت کئی گنا کرنے کی کوشش کرے گا یا لوگوں کو سستے دام یعنی قلیل منافع پر اشیائے ضرورت بہم پہنچانے کا باعث بنے گا۔ اسلام پر ایمان سے مسلمان کے ذہن میں یہی تو سب سے بڑی تبدیلی آتی ہے کہ اُس کے تصورات اور اُس کے مقصد زندگی کا رُخ آمدنی کی خواہش کے بجائے اور مال جمع کرنے کے بجائے مال کو انسانیت کی بھلائی کے لئے خرچ کرنے اور دوسروں کی خدمت کرنے کی طرف لگ جاتا ہے۔

ایمان کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ اسی لئے یہ بات بہت دشوار ہے کہ ہم اسلام کے اُس مکمل معاشی نظام کو بیک وقت ایک ہی کوشش میں اپنالیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس برس میں نافذ کیا۔ یہ مرحلہ دشوار صرف اس لئے ہے کہ اس کے لئے پہلے کردار سازی لازم ہے تاکہ ایسے صالح افراد پیدا ہوں۔ جن کی زندگی کے ہر شعبہ میں ایمان پوری طرح سرایت کرچکا ہو۔ ایسے افراد کے بغیر اسلام کا معاشی نظام تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے ہمیں اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے ایک ایک بُرائی کو سلسلہ وار دور کرنا ہوگا۔ جس میں ربٰوا یعنی راس المال پر بڑھتی رقم لینے کا خاتمہ سب سے آخر میں آتا ہے۔ اگر تجارت میں مسلمان جھوٹ، فریب، ملاوٹ، بددیانتی، ٹیکسوں کی چوری، معاہدوں کی خلاف ورزی، زیادہ منافع خوری، ذخیرہ اندوزی کرتے رہیں اور ملازمت میں رشوت اور غبن کا سلسلہ جاری رہے تو صرف

ترکِ رِبٰوا کے قانون سے اسلام کا معاشی نظام وجود میں نہیں آسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صرف رِبٰوا کو ترک کرنے کے قانون سے نہ معاشرہ درست ہوگا۔ نہ انفرادی طور پر اُس کا اجر اُن لوگوں کو ملے گا جو معاشرتی معاملات کی دوسری برائیوں میں ملوث ہوں۔ اسی طرح اگر کوئی دوسری تمام برائیاں چھوڑ دے اور رِبٰوا کی آمدنی کو ترک نہ کرے تو وہ بھی مواخذہ سے بچ نہ سکے گا۔ ایک خرابی کو دور کرنے اور دوسری کو جاری رہنے دینے سے معاشرے کی ناہمواری کبھی بھی دور نہیں ہوگی۔

"سود" کو ختم کرنے اور شراکتی نظام رائج کرنے کے لئے ہمارے دلائل کا انحصار درجِ ذیل آیت پر ہے۔

(۱) قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام

مروجہ ترجموں میں اس آیت کے دو حصّے کئے گئے ہیں۔ پہلے حصّہ کو قول مشرکین اور دوسرے حصّہ کو اللہ کا کلام سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ پورا جملہ مشرکین کا قول ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بیع اور رِبٰوا ایک ہی طرح کا معاملہ ہے۔ پھر کیا وجہ ہے اللہ نے بیع کو حلال اور رِبٰوا کو حرام قرار دیا ہے۔ مشرکین کے اس قول میں ان کی پوری ذہنیت کارفرما ہے۔ کیونکہ غیر مومنین کا رجحان صرف ذاتی مفاد کی طرف ہی جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے جب اعتراض کیا تو رِبٰوا کی ضِد بیع کو ٹھہرایا۔ رِبٰوا میں بھی فائدہ متصور ہے اور بیع میں بھی فائدہ ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رِبٰوا کو بیع کے مقابل پیش نہیں کیا۔ اس سلسلے میں ہم نے اپنے معنیٰ کی تصدیق کے لئے سابقہ تفاسیر کو دیکھا تو اُن میں مروجہ معنیٰ کے علاوہ مندرجہ ذیل عبارت بھی درج ہے۔

تفسیر کبیر رازی : اس کا احتمال ہے کہ یہ تمام کلام کفار کا کلام ہو۔

(حوالہ عربی) (مکمل متن آخر میں درج ہے)

تفسیر ابن کثیر : یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو۔

(حوالہ اردو) (مکمل متن آخر میں درج ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معنی پہلے بھی سمجھے گئے ہیں اور سابقہ مفسرین نے لغت کے اعتبار سے اِن معنی کو صحیح مانا ہے لیکن تفسیری اعتبار سے اس مفہوم کو صحیح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ امام رازی نے لکھا ہے کہ مفسرین کی اکثریت نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ کفار کا قول " انما البیع مثل الربوٰا " پر ختم ہوجاتا ہے اور " احل اللہ بیع وحرم الربوٰا" اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مفسرین کے اس موقف کی صحت پر انہوں نے خود بھی دلائل دیئے ہیں۔

ہمارے فہم میں صرف " احل اللہ البیع وحرم الربوٰا " (کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور رِبوٰا کو حرام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب سمجھنا قرآن کے اندازِ بیان کے خلاف ہے۔ دیکھئے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یا ایھا الذین آمنو لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو) اس طرح تجارت میں آپس کی رضامندی لازمی کردی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ عمل صالح پر انعام یا اجر کا وعدہ فرماتا ہے تو ساتھ " آمنو" (ایمان لانے) کی شرط ضرور ہوتی ہے، لہٰذا اگر آیۂ کریمہ کا دوسرا حصّہ اللہ تعالیٰ کا جواب ہوتا تو بیع کے ساتھ جائز، صحیح یا سچائی کا ضرور ذکر ہوتا۔ کیونکہ ہر بیع حلال کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ بیع فاسد اور باطل بھی ہوتی ہے اور اسی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ قول اللہ تعالیٰ کا جواب نہیں بلکہ تاویل کرنے والوں کے قول ہی کا دوسرا مربوط ٹکڑا ہے۔

ہمارے پاس ان دونوں مفہوم میں صحیح کے پرکھنے کا ایک اور معیار بھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے رِبوٰا کو قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر کس طرح بیان کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ اہم مسائل کو مختلف جگہ بیان کرتا ہے۔ اس طرح الفاظ کے معانی اور مسئلہ کا اصل مفہوم خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ اس کے لئے ہم نے قرآن مجید میں رِبوٰا کے متعلق آمدہ تمام آیات کو ایک جگہ جمع کرلیا ہے۔ جس کے تحت ہم رِبوٰا کے صحیح

مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ رِبٰوا کی ضد یا اُس کے متقابل کس عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اُس میں افزائش نہیں ہوتی۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے خدا کی خوشنودی طلب کرتے ہو تو (وہ موجب برکت ہے اور) ایسے ہی لوگ (اپنے مال کو) دوچند سہ چند کرنے والے ہیں۔

۲۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ

خدا سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔

۳۔ (i) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔

(ii) اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اُٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

(مکمل متن صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

۴۔ (i) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠

اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ۔

(ii) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں

(مکمل متن صفحہ ۲۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

۵۔ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے

۶۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ

مومنو! خدا سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا
بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ
فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

(کہ تم خدا اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو)
اگر توبہ کر لوگے (اور سود چھوڑ دوگے) تو تم کو اپنی اصل رقم
لینے کا حق ہے اُس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا
نقصان، اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اُسے کشائش
(کے حاصل ہونے) تک مہلت دو اور اگر (زر قرض) بخش
ہی دو تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو!

اب ہم ان آیتوں پر الگ الگ تفصیل سے اپنا نکتہ نگاہ پیش کرتے ہیں۔

حوالہ (۱) معتبر اور مقبول مفسرین نے اس کی تاویل ایسے معانی سے کی ہے۔ جس کی رو سے وہ ہمارے مقالے کی بحث سے باہر ہے۔ اس کی تاویل عطیہ سے کی گئی ہے۔ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور خواہش یہ ہوتی ہے کہ انھیں بدلے میں اس سے زیادہ ملے۔ طبری نے یہ تفسیر ابن عباسؓ اور دیگر مفسرین سے نقل کی ہے۔ لیکن اس جگہ ایک بات قابل غور ہے کہ ربٰوا کے مقابلے میں یہاں زکوٰۃ کو لایا گیا ہے۔

حوالہ (۲) یہاں الربٰوا کے متقابل صدقات کا ذکر ہے۔

حوالہ (۳،۴) یہاں دونوں جگہ الربٰوا اور انفاق کا ذکر آگے پیچھے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے۔ ہم ایک خاص بات کی طرف توجہ دلائیں گے کہ قرآن اہم مسائل پر ایک ہی مضمون کو دو طرح باندھتا ہے۔ پہلے جس ترتیب سے بیان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ترتیب سے دوسری جگہ لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حوالہ ۳ میں "ینفقون اموالھم" (جو لوگ مال اپنا خرچ کرتے ہیں) پہلے آیا اور "یاکلون الربٰوا" (جو لوگ سود لیتے ہیں) بعد میں آیا۔ اس کے برعکس حوالہ ۴ میں "لاتاکلوا الربٰوا" (سود مت لو) پہلے اور "الذین ینفقون" (جو لوگ خرچ کرتے ہیں) بعد میں لایا گیا۔

متذکرہ بالا تمام آیات سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ الربٰوا کی ضد صدقات یا انفاق ہے بیع نہیں۔ یہ مؤمنوں کا ذہن آمدنی کی طرف پہلے جاتا ہے۔ خواہ وہ ربٰوا سے ہو یا بیع سے۔ اس سے انہوں نے ربٰوا کے سامنے بیع کا تصور پیش کیا۔ لیکن

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو انفاق کا حکم دیتا ہے۔ جس سے استحصال کے تمام سلسلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے الربوٰا کے سامنے یا اُس کی ضد انفاق۔ صدقات اور زکوٰۃ کو رکھا ہے۔

حوالہ (۵) اس میں الربوٰا کی ضد کا ذکر نہیں بلکہ مثل کا بیان ہے۔ یعنی لوگ باوجود منع کئے جانے کے رِبوٰا لیتے ہیں اور دوسروں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں۔ جس میں ملاوٹ، دھوکہ، جھوٹ، بے ایمانی، غبن، رشوت تمام ذرائع شامل ہیں۔ اس طرح دونوں جرم یعنی "اخذ رِبوٰا" (رِبوٰا کا لینا) اور "اکل مال بالباطل" (ناجائز طریقے سے مال کھانا) اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یکساں ہیں۔ اس تفصیل کے بعد ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔

آپ نے دیکھا حوالہ (۱) کے معنوں میں تو دو رائے ہو گئیں یا دو احتمالات ہو گئے۔ اس لئے مروجہ مفہوم قابلِ غور ہو گیا کہ آیا "احل اللہ بیع وحرم الربوٰا" اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا قول کافرین ہے۔ لیکن حوالہ جات ۲۔۳۔۴ سے ایک ہی مفہوم نکلتا ہے کہ رِبوٰا کی ضد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اس کے لئے ہم کو انفاق کا مفہوم سمجھنا ہو گا اس کے بعد ہم حوالہ (۶) پر آئیں گے۔

نفق اُس سرنگ کو کہتے ہیں جس کے داخل ہونے اور نکلنے کے دونوں راستے کھلے ہوں۔ اِسی لئے نافقہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو زیرِ زمین ایسا گھر بناتا ہے جس میں داخل ہونے اور نکلنے کے دو راستے ہوں، باقی جانور صرف ایک سوراخ والا بل بناتے ہیں۔ اسی سے منافق کا لفظ ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو دو رُخ رکھتے ہوں۔ اصلی اور دکھانے کا اور یا جو صبح کو اسلام میں داخل ہوں اور شام کو نکل جائیں تاکہ لوگوں کو اسلام سے متزلزل کر دیں۔ یا ایسے لوگ جو اسلام میں داخل ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس سے باہر نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔ نفق ہی سے انفاق ہے جس میں دولت ایک طرف سے آتی رہے۔ دوسری طرف سے نکلتی رہے۔ غیر مؤمن دولت کے لئے پہلے تھیلی کو نیچے سے سی لیتے ہیں اور بھرنے کے بعد اوپر سے گرہ لگا دیتے ہیں۔ لیکن مومن کی تھیلی نیفے کی طرح ہوتی ہے۔ جس کے دونوں طرف سے منہ کھلا رہتا ہے کہ ایک طرف سے آتا جائے۔ دوسری طرف سے نکلتا چلا جائے۔ اور اس طرح "انفاق فی سبیل اللہ" کا مقصد پورا ہوتا رہے۔

اللہ تعالیٰ جب بھی کسی بُرے عمل کو چھوڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے تو خلا باقی نہیں رکھتا بلکہ اُس خلا کو پُر کرنے کے لئے کسی عملِ خیر کا ضرور ذکر فرماتا ہے۔ مثلاً لا الہ کے بدلے الا اللہ۔ شیطان کی جگہ رحمان۔ اسی طرح رِبٰوا چھوڑنے کے بدل میں انفاق یا خرچ کرنا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق کا عمل اور جذبہ ہی رِبٰوا سے چھٹکارا دلا سکتا ہے۔ کیونکہ ایمان اور نیک عمل سے ہی بُرائی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اسلام میں خرچ کرنے کی کوئی حد نہیں ہے، جب تک تمام دنیا میں امن، چین اور خوش حالی نہ پھیل جائے، مومنوں کو اپنی جان اپنا مال خرچ کرتے ہی رہنا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ کوئی اتنا خرچ کیوں کرے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں متعدد جگہ فرمایا ہے کہ تمہاری کمائی میں تمہاری محنت کا حصّہ بہت کم ہے اور ہمارے فضل وعنایت کا حصّہ بہت زیادہ ہے۔ مثلاً کھیتی باڑی کے نظام پر غور کیجئے۔ ہم زمین میں صرف ہل چلا کر بیج ڈالتے ہیں۔ اس بیج سے فصل اگانا کس کا کام ہے۔ پانی پر غور کیجئے۔ کیا اُسے بادلوں سے ہم برساتے ہیں یا اللہ! کنوؤں یا دریاؤں کے ذریعے اس پانی کو کون مہیّا کرتا ہے۔ سورج کی روشنی اور حرارت کس کا عطیہ ہے۔ ہوا کس کے حکم سے چل رہی ہے۔ زمین میں بیکٹیریا کا عمل کس کے قانون کے تحت ہے۔ رزق پیدا کرنے کی مشینری پر ہم جتنا بھی غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ اس کاروبار میں ہم صرف محنت کرتے ہیں باقی سب کام اللہ کا نظام کرتا ہے، اسی بات کو ہم ایک دوسرے طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ آمدنی کا انحصار متعدد اسباب پر ہے جن میں چار بنیادی اسباب ہیں۔

۱۔ **محنت** :— جو ہر شخص کی اپنی جدوجہد اور کوشش پر منحصر ہے۔

۲۔ **صلاحیت** :— یعنی عقل، ذہانت، جسمانی قوت۔

۳۔ **اسباب** :— غریب کے ہاں پیدا ہونا یا زمیندار، سرمایہ دار، صنعتکار کے ہاں۔

۴۔ **ماحول اور علاقہ** :— ایسے خطّے میں پیدا ہونا جہاں قدرتی اسباب کی فراوانی ہو۔ یعنی افغانستان کی بجائے سعودی عرب میں یا ایتھوپیا کی بجائے امریکہ میں۔

مندرجہ بالا اسباب میں صرف محنت پر ہم کو اختیار ہے جو ہم اپنی مرضی سے کم یا زیادہ کر سکتے ہیں۔ لیکن صلاحیت، اسباب، ماحول یا کسی علاقے میں پیدا ہونا ہمارے اختیار میں نہیں۔ یہ صرف اللہ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے کہ آپ کس کے ہاں پیدا ہوئے کس علاقے میں پیدا ہوئے اور عقل و ذہانت کا کتنا حصہ ملا۔ آمدنی کا انحصار اور اس کا معیار بہت حد تک ان ہی اسباب پر ہے اور ان میں محنت کا عنصر سب سے کم عامل ہوتا ہے۔

یہاں ایک اہم بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ سب کو یکساں پیدا کر دیتا۔ ایک ہی طرح کے حالات و اسباب سب کو دیتا۔ محرومی کسی کے لئے نہ رکھتا۔ لیکن آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان انسان کی صلاحیتوں میں فرق رکھنا تو ہماری اپنی ضرورت تھی ورنہ یہ سب کام کیسے چلتا۔ منیجر، انجینئر، اکاؤنٹنٹ، کلرک، چپراسی، مزدور، کاشتکار، معمار، لوہار، بڑھئی، درزی، مالی، باورچی، بھنگی کا کام کون کرتا، انسان کی دنیا میں ارتقا تعمیر اور ترقی کے مراحل طے کرنے کے لئے یہ فرق مراتب ضروری تھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل، سمجھ اور عمل کا فرق فرد فرد میں رکھا تاکہ سب انسان اپنا اپنا کام انجام دے کر اپنی انفرادی ضروریات بھی پوری کریں اور تعمیر و ترقی کا کام بھی انجام دیں۔ انسانوں میں فرق ہی ایسے مواقع پیدا کرتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کا کام کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

اسلام ہم میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ ہم اس فرق کو حقیقی نہ سمجھیں اور اپنی کمائی میں سے صرف اتنا حصہ اپنا حق سمجھیں جو محنت کے معاوضہ کے برابر ہو اور باقی حصہ جو اللہ کے فضل و عنایت سے ہے، اللہ کے اُن بندوں پر خرچ کریں اور اپنی صلاحیتوں سے اُن لوگوں کو فائدہ پہنچائیں جو ان نعمتوں سے محروم ہیں اسی کو انفاق فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

اب ہم حوالہ ۲ کی طرف آتے ہیں۔ جس میں راس المال پر بڑھتی لینے کے خلاف سخت وعید آئی ہے۔ یہی آیت دراصل الربوٰا کے سلسلہ میں تمام تفصیلات کی حامل

ہے۔ یہاں بھی آپ غور فرمائیں گے کہ الربٰوا والی زیر بحث آیات سورۃ بقرۃ کے اڑتیسویں رکوع کی دوسری آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ اس رکوع سے پہلے کے دو رکوع یعنی ۳۶ اور ۳۷ ویں رکوع کو پڑھ لیجئے۔ ان میں شروع سے آخر تک سوائے انفاق، صدقہ، خیر خیرات یعنی ضرورت مندوں کی امداد، غریبوں، ناداروں، پریشان حالوں کی حاجت روائی کی فضیلت، ترغیب، تحریص کے سوا کوئی دوسری چیز بیان نہیں ہوئی اسی سلسلے میں یہ بھی ہے کہ جن پر احسان کرو اُن پر احسان مت دھرو۔ جن کی امداد کرو اُن کو طعنے مت دو۔ جن کی حاجت روائی کرو ان کی دلآزاری نہ کرو، ان تمہیدوں کے بعد اڑتیسواں رکوع شروع ہوتا ہے۔ جس میں راس المال پر بڑھوتری لینے سے رکنے اور سابقہ کو چھوڑ دینے کا حکم ہے۔ رِبٰوا اور انفاق سے متعلق ہماری بحث یہاں ختم ہوجاتی ہے۔ اب ہم آپ کی توجہ ایک دوسرے پہلو کی طرف دلاتے ہیں جو بیع اور تجارت سے متعلق ہے۔

ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کہ رِبٰوا، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری سب ایک ہی قسم کی برائیاں ہیں لیکن استحصال کے اور بھی بے شمار ذرائع ہیں جن میں اس وقت سب سے زیادہ شور وغل مزدور کے استحصال پر ہے کہ ان سے کام زیادہ لیا جاتا ہے۔ معاوضہ کم دیا جاتا ہے۔ جس سے ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ مزدور اُس کا بدلہ اس طرح لیتے ہیں کہ کام کم کرتے ہیں۔ بدانتظامی کرتے ہیں۔ مطالبات زیادہ پیش کرتے ہیں، لیکن یہ دو طرفہ استحصال معاشرے میں جو ناہمواری پیدا کرتا ہے اس سے دنیا کی صرف پانچ فیصد آبادی متاثر ہوتی ہے اس کے برعکس بیع، تجارت اور پیشہ ورانہ صلاحیت کے ذریعہ دنیا کی تمام آبادی کا جو استحصال ہو رہا ہے اُس پر سب خاموش ہیں کیونکہ اس استحصال میں سب شریک ہیں۔ تجارت یا بیع میں چند معروف بُرائیاں تو سب کو معلوم ہیں مثلاً جھوٹ، بے ایمانی دھوکہ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ، ٹیکسوں کی چوری وغیرہ۔ لیکن گراں فروشی اور منافع خوری کو برائی میں شامل نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ استحصال یا ظلم کا یہی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ جو معاشرتی عدم توازن، طبقاتی منافرت، باہمی عداوت اور ملکوں،

قوموں کے درمیان جنگ کا باعث بنتا ہے۔

دنیا میں ہمیشہ سے ایک ہی طرح کا معاشی نظام قائم چلا آرہا ہے وہ یہ کہ جو کچھ زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکے۔ انفرادی سطح پر یا قومی سطح پر اُس کو پہلے حاصل کیا جائے۔ پھر اس میں سے کچھ حصہ محروموں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آج کل امریکہ، روس، یورپ، جاپان اور عرب ممالک سب نے امداد کا نظام اسی بنیاد پر چلا رکھا ہے، لیکن اس پورے نظام میں ایک ہی اصول کارفرما ہے کہ پہلے دوسروں سے سمیٹ کر لے آؤ اور پھر اس میں سے کچھ حصّہ لوٹا دو۔ حال میں ایک دوسرے نظام نے اس نظام کو ختم کر کے یہ اصول بنایا تھا کہ سب کی محنت کا ماحصل ایک جگہ جمع کر لو اور سب کو برابر بانٹ دو۔ لیکن اس میں کوئی زیادہ کام کیوں کرے اس خامی کو نظر انداز کر دیا گیا۔ دوسرے اس نظام میں رضا و رغبت سے دینے کی بجائے جبر و استبداد سے لینے کا اصول اپنایا گیا۔ البتہ آج سے چودہ سو سال پہلے جب اسلام کا معاشی نظام قائم ہوا تھا تو اس میں مؤمنین لینے یا لانے کے لئے نہیں تڑپتے تھے بلکہ صرف دینے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔

اسلام جس معاشی نظام کی طرف دعوت دیتا ہے وہ امن و عافیت، سکون اور سلامتی والا نظام ہے جس میں افراد کے درمیان یا اقوام کے مابین بغض و عناد، فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا امکان کم ہو۔ اس لئے اسلام کے معاشی نظام کو ایسی بنیادوں پر استوار ہونا چاہیئے جو ان سب برائیوں کو روکتا ہو۔ موجودہ نظام معاشیات میں منافع کا رائج مفہوم یہ ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ کتنی قیمت وصول کر سکتے ہیں خواہ وہ قیمت کروڑوں عام افراد کی استعداد سے باہر ہو لیکن ایک فرد کے پاس دولت کے انبار جمع کر دے۔ اس کے برعکس اسلام میں منافع کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ یہاں بنیادی اصول مناسب قیمت کا ہوتا ہے جو عام شخص ادا کر سکے۔ اگر ہم ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہنگامی یا جنگ کے حالات میں ہر ملک اپنے ہاں قیمتوں اور تقسیم پر کنٹرول عائد کرتا ہے۔ تاکہ تاجر مال کی کمی سے زیادہ فائدہ نہ اٹھائیں اور عام لوگوں کو مناسب دام پر حصہ رسدی ضروریات مہیا ہوتی رہیں۔ کمیونسٹ نظام میں تجارت، تقسیم اشیاء۔

قیمتوں کا تعین سب پر حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔ لیکن اسلام اسی پابندی کو رضاکارانہ طور پر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ زیادہ منافع کما کر محروموں کی مدد کرنا اسلام کے معاشی نظام سے اتنا قریب نہیں ہے جتنا قریب یہ عمل ہے کہ ارزاں اور مناسب قیمت پر اشیائے صرف کو فروخت کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی قوت خرید اور مالی استطاعت کے مطابق داموں کو رکھا جائے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے تو پیداوار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش ہے۔ پیداوار میں معدنی، زراعتی، غذائی اور صنعتی جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذرائع بھی شامل ہیں۔ پھر اس پیداوار کو سب کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بہت قلیل منافع پر تمام خطوں کو پہنچانا ہے۔ اس طریقے سے نہ صرف ہر فرد دنیا کی خوش حالی میں اپنے کو شریک سمجھے گا بلکہ دنیا میں چین اور امن کی وہ فضا قائم ہو جائے گی جس سے جنگ کے اسباب ہی ختم ہو جائیں گے۔ آپ تصور کیجئے وہ دنیا کیسی جنت نشان ہوگی، جس میں اخوت اور وحدتِ انسانیت کی بنیاد پر امریکہ، روس کو انتہائی ارزاں قیمت پر گیہوں فروخت کرے گا تو روس کو کیا ضرورت پڑیگی کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے کسی ملک پر قبضہ کرلے یا اپنی تنگی کو دیکھ کر امریکہ سے بدلہ لینے کی کوشش کرے۔ اسی طرح جب امریکہ ایران کو صنعتی پیداوار انتہائی کم دام پر مہیا کرے گا تو ایران اپنا تیل بہت کم منافع پر امریکہ کو مہیا کرے گا۔ پھر کیا ضرورت پیش آئے گی کہ امریکہ خیال کرے کہ میں ایران سے تیل نہ لوں بلکہ اپنے ہاں پیدا کروں یا پھر فوجیں بھیج کر ایران پر قبضہ ہی کرلوں، اس طرح ان ملکوں میں کوئی کشمکش پیدا نہ ہوگی اور مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان ساری انسانیت کی بھلائی کے لئے باہمی تعاون سے امن اور سلامتی کی فضا قائم ہو جائے گی۔

ہم نے یہاں خطوں اور ملکوں کے نام مثال کے لئے لکھے ہیں ورنہ اسلام ان تمام تفریقات کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ اسلامی نظام میں علیحدہ علیحدہ ملک تو کیا براعظم ہائے ایشیا، یورپ اور امریکہ تک کا تصور ختم ہو جاتا ہے جس طرح ایک ملک کی حکومت اپنے

تمام باشندوں کا خیال رکھتی ہے کہ اس ملک میں کسی جگہ بھی تکلیف پیش آئے تو اس ملک کی ساری انتظامیہ اور قوم کے تمام افراد مل کر اُس مشکل میں مدد کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اسی طرح اسلام کے معاشی نظام کا فائدہ بغیر کسی طبقہ، خطّہ، ملک یا علاقہ کی تخصیص کے، ساری انسانیت کو یکساں پہنچے گا، کیوں کہ وحی کی روشنی انسانوں کو عقل خود بیں کی بجائے عقل جہاں بیں کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یعنی انفرادی یا ذاتی مفاد کی بجائے کل نوعِ انسانی کا مفاد! لیکن ایمان کی طاقت کے بغیر یہ کام ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اپنی تمام تر خواہش کے باوجود انجام نہیں دے سکتے۔

ہم پھر واضح کر دیں کہ تجارت یا بیع تبادلۂ اشیا کا ذریعہ ہے۔ سامان کی نقل و حمل کا ذریعہ ہے۔ لوگوں کی ضروریات مہیا ہونے کا ذریعہ ہے۔ رزقِ حلال کمانے کا ذریعہ ہے لیکن منافع خوری یا مال جمع کرنے کا ذریعہ اس کو نہیں بنایا جاسکتا۔ ورنہ کافروں کی یہ بات صادق آجاتی ہے کہ جس طرح اشیا کی فروخت میں نفع لینا جائز ہے۔ اسی طرح سرمایہ پر نفع لینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ کسی سے اُس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر وصول کیا جائے۔ وہ رِبٰوا کی صورت میں بھی بُرا ہے اور بیع کی صورت میں بھی بُرا ہے۔ اب ہم رِبٰوا کی ممانعت کے متعلق ملکی قوانین میں پابندی سے متعلق کچھ کہنے کی جرأت کرتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں قرآن شریف میں "یایھا الذین آمنو لاتا کلو الرِبٰوا" (اے ایمان والو رِبٰوا کھانا چھوڑ دو) یا غیر مومنین کی صفت میں " الذین یا کلون الربٰوا " (وہ لوگ جو رِبٰوا لیتے ہیں) کی آیات پہلے سے موجود تھیں۔ لیکن متذکرہ آیت جس میں رِبٰوا کی ممانعت کے متعلق پوری تفصیلات ہیں۔ وہ سب سے آخر میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ والے دن جب اسلام کا معاشی نظام استوار ہو چکا تھا۔ اس وقت یہ فرمایا کہ " جاہلیت کے تمام سود میرے قدموں تلے برباد ہیں۔ سب سے پہلا سود جسے میں مٹاتا ہوں وہ عباسؓ کا سود ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ انتظامی امور میں رِبٰوا کی ممانعت قانوناً اسی وقت نافذ کی جانی چاہیئے جس وقت اسلامی حکومت

اور اسلام کا معاشی نظام بالفعل قائم ہو چکا ہو۔ ورنہ نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم قانونی اور شرعی موشگافیوں کے ذریعہ صرف طریق کار کی تبدیلی سے سابقہ نظام برقرار رکھ رہے ہیں اور اس برائے نام تبدیلی کو عین اسلام کے معاشی نظام کے مطابق بتا رہے ہیں۔

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح اسلامی ممالک میں بھی تمام ملکی قوانین اپنے رواج، معاشرتی ضروریات اور تقاضوں کے تحت نافذ کئے جاتے ہیں، اگر ربٰوا کی ممانعت کا قانون بھی اسی طریق کار کے تحت ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جس طرح اکثر ممالک میں شراب بندی کا قانون موجود ہے۔ لیکن یہاں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم اس قانون کو اسلام کا ایک حکم بتا کر نافذ کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی تمام اخلاقی اقدار ہمارے ملک میں پوری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ وہ اخلاقی پابندیاں جو دوسرے غیر مسلم ممالک تجارت میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ہم اُس میں بھی پیچھے ہیں۔ اسی وجہ سے ساری دنیا ایسے حالات میں صرف رِبٰوا کی ممانعت کے قانون پر نہ صرف ہمارا مذاق اڑا رہی ہے بلکہ اسلام سے اور دور ہوتی جا رہی ہے۔

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات آپ کے سامنے پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ اس تحریر کا مقصد رِبٰوا یا سود کے لئے جواز پیدا کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ایک مشکل تر زندگی اور زیادہ مربوط عمل کی طرف دعوت ہے۔ گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، ارتکاز زر اور باطل طریقے سے اکل مال سے مکمل پرہیز کے ساتھ اور بہبود عامہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد ہی ہمارا معاشرہ اور ہم رِبٰوا کے خاتمے کے مرحلے تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسلام کا جو حقیقی اور مثالی معاشی نظام ہے۔ اُس کے پوری طرح عمل میں آنے کے لئے ایک خاص قسم کے ذہنی اور خارجی ماحول کا وجود ضروری ہے جس معاشرے میں وہ مخصوص ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہ ہو۔ وہاں نہ تو کامل طور پر صحیح معاشی نظام بروئے کار آسکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے۔ لہٰذا اسلام مومنوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اسلام کے حقیقی معاشی نظام کو بروئے کار لانے سے پہلے اس خاص طرح کے ذہنی اور خارجی ماحول کو وجود میں لانے کی اِمکانی کوشش کریں۔ جس کے بغیر وہ معاشی نظام صحیح اور کامل طور پر عمل میں نہیں آسکتا۔

ہم سود کی جگہ جس نظام کو رائج کرنا چاہتے ہیں وہ شراکتی نظام ہے۔ ایسے شراکتی نظام کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ صرف نام کی تبدیلی ہے۔ اس سے اصل صورتِ حال میں کسی بہتر تبدیلی کی توقع پوری نہ ہوسکے گی۔ پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا ایسے شراکتی نظام سے معاشرہ سدھر جائے گا۔ برائیوں سے پاک ہوجائے گا۔ ہمارے ہاں مالیات میں بے شمار بدعنوانیاں ہیں۔ حصہ داروں سے ہم دھوکہ کرتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ اُن سے منافع چھپاتے ہیں۔ جس کے لئے اخراجات بڑھا کر دکھاتے ہیں۔ اصل مال بھی فروخت کرکے حساب سے الگ نکال لیتے ہیں۔ ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ٹیکس کی زیادتی اُن کو آمدنی کے اخفا پر مجبور کرتی ہے۔ پبلک سیکٹر میں گو ٹیکس بچانے کے لئے نہیں تو انفرادی مفادات کے لئے نفع چھپایا جاتا ہے۔ ہم کو اختیار تو مالکانہ ہو اور معاوضہ ملازموں کا ہو۔ پھر نیکی کے لئے کوئی جذبۂ محرکہ نہ ہو۔ سارا معاشرہ دولت سمیٹنے میں لگا ہو تو پبلک سیکٹر کے عمال کوئی فرشتہ تو نہیں کہ وہ اس سیلاب میں اپنے کو بہہ جانے سے روک سکیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ٹیکس وصول کرنے کے بعد اس کے برباد کرنے، ضائع کرنے کا "اہتمام" اتنا زیادہ ہے کہ اُس میں تعمیری پہلو بہت کم ہے۔ ہر طرف لوگوں سے وصول کی ہوئی رقم کا ضیاع ہے۔ ایسے معاشرے میں نئے شراکتی نظام سے اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ بدعنوانی کا ایک اور دروازہ کھل جائے۔ اب تک جھوٹ حصہ داروں سے، حکومت سے بولا جاتا تھا۔ اب شریک بنکوں کے ساتھ مزید جھوٹ بولا جائے گا۔

رِبوٰا کو ملکی قوانین میں ممنوع قرار دینے کے ساتھ ہی قومی معیشت میں خسارے کی سرمایہ کاری یعنی سونے یا مال کی ضمانت کے بغیر کرنسی نوٹ گردش میں لانے کا عمل بھی قابلِ غور ہوجائے گا۔ کیوں کہ اس طرح اچانک سرمائے میں اضافہ جوئے اور سٹّے کی آمدنی سے مماثلت رکھتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے کچھ لوگوں کو روزگار اور کام کے مواقع مل جاتے لیکن اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گرانی ساری آبادی کو متاثر کرتی ہے اور ملک کی پوری معیشت کے لئے نقصان کا باعث بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا معاشی نظام اخراجات کو کم کرنے اور ضروریات کو گھٹانے کی ترغیب دیتا ہے۔ باطل طریقے سے سرمائے

کے اضافے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام کا انفاق والا نظام کبھی نافذ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے لئے جتنے ایثار و قربانی کی ضرورت ہے وہ کون دے گا۔ جس نظام میں دینا ہی دینا ہوگا تو وہاں کوئی کام کیوں کرے گا۔ ایسی باتیں سب خیالی نظر آتی ہیں۔ عمل میں کہاں آسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہم آج سے چودہ سو برس پہلے کی بات تو بعد میں کریں گے، پہلے اسی دور کی بات کر لی جائے۔ ابھی کوئی ستّر برس پہلے ایک معاشی نظام کمیونزم کے نام سے ابھرا۔ جو اگرچہ ناکام ہو گیا ہے۔ لیکن انسانی تاریخ میں اس کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ جب ایسا جابرانہ نظام بھی قائم ہے کہ جس میں آپ کو کام پورا کرنا پڑتا ہے اور معاوضہ مقررہ ملتا ہے۔ ایک ارب نفوس سے کہیں زیادہ کو ایسا نظام جبراً و قہراً ماننا پڑا کیوں کہ حکومت کی طاقت اس کو نافذ کرنے والی تھی۔ لیکن اسلام میں ایمان کی طاقت وہ قوت ہے جو حکومت کی طاقت سے کہیں بڑی ہے یہی اصل قوّت اور جذبۂ محرکہ ہے جو تمام طاقتوں پر حاوی ہے۔ ایمان والے اپنی قوتِ ایمانی کے تحت ہر ایثار و قربانی کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ مال تو کیا چیز ہے وہ جان بھی دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کو خرچ ہی خرچ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں آتی۔ کیونکہ ان کو دنیا کی زیب و زینت، آسائش و آرائش اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائے بعثت سے خلفائے راشدین تک کا زمانہ اس پر شاہد ہے کہ ایسا نظام رضاکارانہ طور پر قائم ہوا۔ مال غنیمت کا قیمتی سے قیمتی سامان ایک معمولی سپاہی لاکر خزانے میں جمع کرا دیتا تھا پھر اُس کو اپنے حصّے کے بقدر اُس میں سے ملتا تھا۔ ذرا سی ضرورت پر غلے سے بھرے ہوئے اونٹوں کے پورے قافلے ضرورت مندوں کو مفت دے دیئے جاتے تھے۔ اکابر صحابہ کو جو کچھ مالِ غنیمت سے ملتا وہ اُسی وقت حاجت مندوں اور ضرورت مندوں تک پہنچا دیتے ایسے سینکڑوں واقعات سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا معاشرہ ممکن ہے۔ اور اسی میں انسانیت کی نجات مضمر ہے۔

تاریخی حقائق کے اس پس منظر میں ہم مومنین و صالحین کے ایسے معاشرے کا اندازہ

کرسکتے ہیں۔ وہ معاشرہ جہاں اخوت کا جذبہ حقیقی معنوں میں کارفرما ہو۔ جہاں زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ دوسرے کو فائدہ پہونچایا جائے۔ جہاں نیت یہ ہو کہ امن وسلامتی کا دائرہ ساری دنیا میں پھیل جائے۔ جس معاشرے میں سب کی ضروریات پوری ہونے کا اہتمام ہو۔ اس معاشرے میں نہ خوف ہوگا نہ حزن ہوگا نہ چور کا ڈر ہوگا نہ حکومت کے ٹیکس کا۔ لوگ روپیہ بنکوں میں مختلف ناموں سے نہیں رکھیں گے۔ وہاں لوگ اپنی پسند کے لوگوں کے ساتھ کاروبار کریں گے کیونکہ باہمی اعتماد اور بھروسہ ہوگا۔ ایسے معاشرے میں بینکاری کے مقصدِ نظام میں بھی ایک انقلابی تبدیلی آئے گی اور وہ محض معاشی استحصال کے نظام کے استحکام کا ایک حربہ نہیں بنا رہے گا۔

ہم جب کسی نظام کے قیام کی بات کرتے ہیں تو اُس میں اصولی، فلسفیانہ اور فکری بحث پہلے ہوتی ہے۔ جو نظریاتی طور پر ضروری ہے۔ موجودہ دور علمی نظریات کا ہے۔ افکار اور تصورات انسانوں کو مغلوب کرنے میں افواج اور اسلحہ سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سیاسی سرحدیں، دفاعی قلعہ بندیاں، پہاڑوں کی جغرافیائی رکاوٹیں، سمندروں کی وسعتیں، نظریات کی یلغار کو نہیں روک سکتیں۔ اس لئے ہم کو پہلے اسلام کے صحیح نظریات سے لوگوں کو متعارف کرانا ہوگا۔ جب ان نظریات کا اطلاق منظور ہوگا تو پھر اس کے لئے قوانین اور عملی نظام مرتب ہوگا۔ اُس وقت اِن نظریات اور قوانین پر عمل کرنے کے لئے پہلے کچھ افراد، پھر ایک جماعت اور آخر میں ایک پوری نسل کو شعوری طور پر قربانی دینی ہوگی اور اسلام کے معاشی نظام کو مکمل اور غیر مشروط طور پر اپنانا ہوگا لیکن ہماری ایک نسل تو کیا چند افراد بھی اپنی آئندہ نسلوں کے لئے اور کُل نوعِ انسانی کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے یہ ایک مسئلہ بن جاتا ہے کہ اسلام کے نظامِ معیشت و معاشرت کو عملی طور پر کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے۔

اس مقالے کے اختتام پر ہم حضرت مولینا ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہٗ کی ایک تقریر سے کچھ اقتباسات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

اقتباس

"میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں دنیا کے لئے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ ایک ملت اور ایک عالمگیر دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے، دیکھ لیجئے پڑھ لیجئے! یا آپ کہیں کہ اگر آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے، اللہ کا خوف کیا ہوتا ہے اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملادیں گے، اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے، جب پورے معاشرے کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کرسکتا ہے، اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی اور ہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

آج بھی دنیا کی ضرورت یہ ہے کہ کسی ملک کا پورا معاشرہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اسلامی اخلاق کیسے ہوتے ہیں، مسلمان کس طرح اس پر یقین رکھتا ہے کہ غلط اعمال کرنے سے ناکامی ہوتی ہے اور صحیح زندگی اختیار کرنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ یہ حکومتوں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر، معاشروں کی سطح پر، سوسائٹی کی سطح پر ہو اور منظر عام پر یہ حقیقت جلوہ گر ہو۔ آج ہم کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے کہ تم آنکھ بند کرکے اس میں چلے جاؤ دیکھ لو کہ اسلام کیا ہوتا ہے، اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، مسلمان ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، مسلمان دھوکہ نہیں دیتا، مسلمان زر کا پرستار نہیں ہے۔ مسلمان عاجل اور وقتی منافع کے لئے آجل اور دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا، مسلمان اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، مسلمان ظلم کرنا نہیں جانتا، مسلمان نے دھوکہ دینے کا سبق نہیں پڑھا۔ مسلمان کو بڑی سے بڑی سیم و زر کی تھیلی اور بڑی سے بڑی پیشکش

خرید نہیں سکتی، مسلمان اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتا۔ مسلمان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لٹا سکتا ہے۔ سر کٹا سکتا ہے، اپنے خاندان کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ سکتا ہے، فاقہ کر کر کے مر سکتا ہے، لیکن کفر وضلالت اور ظلم وستم کا راستہ نہیں اختیار کر سکتا۔ آج پوری دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احتیاج، اس کا سب سے بڑا فاقہ، اس کا سب بڑا فقر، اس کی سب سے بڑی طلب، اس کی سب بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے، جس کی طرف انگلی اٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس معاشرے کو دیکھ لو۔

آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہماری نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں، ہماری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے، جب ہم سے کوئی پوچھتا ہے کہ سب صحیح، اسلام کی تعلیمات برحق، اور اس نے زمانہ ماضی میں جو انقلاب برپا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر مستند تاریخ نہ ہوتی تو وہ باتیں یقین کرنے والی نہیں ہیں، جو ہم سیرتِ نبویؐ اور صحابۂ کرام کے حالات میں پڑھتے ہیں، مگر تم اللہ کے لئے کسی محدود سے محدود خطے کو معین کر کے بتا دو کہ وہاں معیاری اسلامی زندگی پائی جاتی ہے، وہاں چوری نہیں ہوتی، وہاں دھوکہ نہیں ہوتا، وہاں فسق وفجور نہیں ہوتا، وہاں دولت ہی کو اور دنیاوی کامیابی ہی کو اصل کامیابی نہیں سمجھتے یہاں آ کر ہمارا سر جھک جاتا ہے، ہمارا منہ بند ہو جاتا ہے۔

حضرات! سیرت کا ایک معمہ ہے، ایک بڑا علمی وتاریخی سوال ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک (جو مشکل سے دو سال ہیں) جس تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور عرب قبائل نے جس تعداد میں اسلام قبول کیا کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آگیا، وہ مکہ معظمہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں اور مدینہ طیبہ کی آٹھ برس کی زندگی میں (صلح کے دو برس مستثنیٰ کر رہا ہوں) دیکھنے میں نہیں آیا، سیرت کا غور سے مطالعہ کرنے والے پوچھتے ہیں کہ دو برس کے اندر جزیرۃ العرب میں جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا ہے اور جس کثرت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں پورے اکیس برس میں نہیں ہوئے اس کا کیا جواب ہے؟ امام زہریؒ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور روایت حدیث کے

ایک بڑے ستون ہیں، اور جن سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات کتب صحاح وسنن میں مروی ہیں، انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ اس دو برس کے اندر جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اکیس برس کے اندر نہیں ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفّار عرب کو اور خاص طور سے کفّار مکہ کو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے، اپنے مہاجر بھائیوں سے ملنے کے آزادانہ مواقع میسّر آئے اس لئے کہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کرسکتا، کوئی جنگی کارروائی نہیں ہوسکتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزیز اپنے عزیزوں سے ملنے آئے، بھائی بھائیوں سے ملنے آئے اور قریشی ان قریشیوں سے ملنے آئے جو یہاں ہجرت کرکے آگئے تھے۔ مکّہ سے شام اور شام سے مکّہ آتے جاتے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے ملتے تھے اور ان کے گھر مہمان ہوتے تھے، ان کو ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ جس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اترجاتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام نے کتنا بڑا انقلاب ان کی زندگی میں برپا کردیا۔ ہمارے ان کے نسب میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی زبان میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی نسل میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے۔ ہم بھی عدنانی اور قحطانی ہیں اور ہم بھی قریشی، ہاشمی اور اموی ہیں، مخزومی اور تیمی ہیں، ہماری زبان بھی ایک ہے، قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کو ہم ان کے برابر سمجھتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ ہم جانوروں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ اپنے مہمانوں کو کھلانے کے لئے اپنے بچّوں کو بھوکا رکھتے ہیں، یہ مہمانوں کو اطمینان دلانے کے لئے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں، یہ اپنے بچوں کے سامنے کی روٹی اٹھا کر اپنے ان بھائیوں ان پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جن سے ان کا دین کا اختلاف ہے، عقیدے کا اختلاف ہے اور جو ابھی تک ان کے مخالف اور برسرِ جنگ رہے۔ کیا بات ہے؟ یہ انقلاب ان میں کہاں سے آیا؟ ہمارے اور ان کے درمیان یہ زمین اور آسمان کا فرق کیسے پیدا ہوگیا؟

انسان انسان ہے، سوچنا اس کی فطرت ہے اندر سے جو سوال ابھرتے ہیں ان کے

جواب دینا اس کی فطرت ہے، انسان کا ضمیر کتنا ہی سوجائے، لیکن وہ مرتا نہیں ہے، وہ جاگ اٹھتا ہے۔ ان کے دل نے ان سے سوال کیا اور جب دل سوال کرے تو اس کا ٹالنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم آپ سوال کریں، راستہ چلتا کوئی سوال کرے، تو اس کو دس بہانوں سے خاموش کیا جاسکتا ہے، لیکن جب دل پوچھنے لگے، جب دیکھنے والی آنکھیں پوچھنے لگیں، جب سننے والے کان پوچھنے لگیں، جب جسم کا ریشہ ریشہ سوال کرنے لگے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے لئے بتاؤ کہ یہ کل مکّہ سے آئے تھے، ابھی تھوڑے دن ہوئے اور تمہارے ہی بھائی بند ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ دھوکہ نہیں دیتے، دوسروں کو کھلائے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا، یہ مہمانوں کا خیال اپنے بچّوں سے زیادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی، یہ صرف ایک اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تو ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی، جس نے مکّہ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، وہ مکہ میں اپنے گھروں تک پہنچ گئے آرام سے لیٹ گئے لیکن وہ چبھن تھی کہ ہو رہی تھی کہ آخر کیا بات ہے یہ انقلاب عظیم کہاں سے برپا ہوا؟

پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ کوئی چیز تلاش کرنے سے بھی نہیں معلوم ہوتی، ایک ہی غذا ہم کھاتے تھے، ایک ہی طرح کا کپڑا ہم سب پہنتے تھے۔ وہ چیزیں جو اسلام نے حرام کی ہیں پہلے سے ان کی فطرت سلیم ان سے ابا کرتی تھی، وہ خنزیر نہیں کھاتے تھے، وہ غیر مذبوح چیزیں بھی نہیں کھاتے تھے، یہ ساری چیزیں ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں، پہناوا ایک، غذا ایک، زبان ایک، لہجہ ایک، آب وہوا ایک، وطن ایک، قوم ایک، پھر کیا بات ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور ہم جانور، وہاں ان کو جواب ملتا تھا کہ یہ اسلام کا کرشمہ ہے، اس سے وہ مسلمان ہوتے چلے جارہے تھے اور یہ حالت ہوگئی تھی کہ جیسے تسبیح ٹوٹ جائے تو دانے ایک کے اوپر ایک گرنا شروع ہوتے ہیں، دانوں کی بارش ہوجاتی ہے اسی طرح اسلام لانے والوں کی بارش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے الفاظ میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے "یدخلون فی دین اللہ افواجا" (اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔

میرے بھائیو اور بزرگو! آج کرنے کا کام یہ ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ قائم کریں،

جس کے دیکھنے کے بعد سیاح یا نووارد کہے کہ ہم نے ایسا اچھا، ایسا پاکیزہ معاشرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے، اگر آپ کے اندر بھی دولت کی لائی ہوئی ساری خرابیاں موجود ہیں، آپ کے اندر بھی حق کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود ہے، آپ بھی عقیدے پر پیسے کو ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو صداقت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو انصاف پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ کے اندر بھی وہی نسلی تعصب، خاندانی تعصب، صوبائی تعصب اور لسانی تعصب ہے، جو دوسرے ملکوں کی مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی آپ کو خرید سکتا ہے اور آپ کو اپنے اغراض کے لئے آلۂ کار بنا سکتا ہے، پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بھی اس کو یہاں لوگ مل جائیں گے، تو آپ یقین مانئے کہ ہم اسلام کی صداقت دنیا پر ثابت نہیں کر سکتے اور ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ہم دنیا کو مایوس کریں گے، ان سیاحوں مورخوں اور مبصروں کو مایوس کریں گے جو پاکستان آئیں گے وہ یہ دیکھیں گے کہ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے، بلکہ بعض ترقی یافتہ اور آزاد ملکوں کا سیاسی شعور اور شہری احساسِ ذمہ داری بہت سی پستیوں، بہت سی بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے یہاں وہ بھی نہیں ہے۔

اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اسلامی معاشرہ ہے اور ایک پورے ملک کی سطح پر، افراد کی سطح پر نہیں، گھروں کی سطح پر نہیں، مساجد کی سطح پر نہیں بلکہ بازاروں کی سطح پر اور بین الاقوامی مجمعوں کی سطح پر۔ ایک خطۂ ارضی تو کم از کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جا سکے، اس کو چھوا جا سکے، مس کیا جا سکے، تخیل سے نہیں، ذکاوت سے نہیں، خیال آرائی سے نہیں، ہاتھوں سے مس کیا جا سکے۔ میں کپڑے کو چھوتا ہوں مجھے اس کی نرمی محسوس ہوتی ہے، میں جسم کو چھوتا ہوں مجھے اس کی گرمی محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلامی زندگی مس کی جا سکے اس کی نرمی اور گرمی، اس کا گداز، اس کا سوز و ساز محسوس کیا جا سکے، قلب اس کی شہادت دے، دماغ اس کی شہادت دے، آنکھ اور کان اس کی شہادت دیں۔ وہ شہادت جو کوئی جھٹلا نہ سکے۔" اقتباس از عنوان نما "تحفۂ پاکستان"

حوالہ ۱

اتل ما اوحی ۲۱ | الروم ۳۰

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ
اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾

حوالہ ۲

تلك الرسل ۳ | البقرة ۲

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾

حوالہ ۳

تلك الرسل ۳ | البقرة ۲

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ
الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۗ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ

حوالہ ۴

لن تنالوا ۴ | آل عمران ۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ۚ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ ﴿١٣١﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿١٣٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ

حوالہ ۵

لا يحب الله ۶ | النسآء ۴

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

حوالہ ۶

تلك الرسل ۳ | البقرة ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى
مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾

تبصرۂ کُتُب

خلافت و جمہوریت از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی - قیمت مجلد-/۳۶ روپے
ملنے کا پتہ : مجلس التحقیق الاسلامی ۹۹/جے ماڈل ٹاؤن لاہور - کتابی سائز کے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل یہ مجلد کتاب جس کی طباعت و تجلید میں خاصا اہتمام کیا گیا مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی کاوش کا نتیجہ ہے اس کا موضوع نام سے ظاہر ہے - آجکل حکومت و سلطنت کے معاملہ میں جو ابحاث چل رہی ہیں - ان کے پیش نظر یہ کتاب کافی کارآمد ہے ضروری نہیں کہ ہر شخص مصنف محترم کے نتائج فکر سے اتفاق کرے لیکن انہوں نے قرآن و سنت اور بنیادی تاریخی ماخذوں سے جس طرح یہ کتاب مرتب کی ہے، اس پر انہیں داد ضرور دی جائے گی اور یہ کہا جائے گا کہ انہوں نے اہل فکر کے لئے ایک راستہ تجویز کر دیا ہے جس پر چل کر اور مزید کاوشیں کر کے اُمّتِ مسلمہ صحیح موڑ پر پہنچ سکتی ہے -

ہمارے یہاں بدقسمتی سے شروع دن سے نظریاتی بحثیں چھیڑ کر مسائل کو الجھانے کی کوشش کی گئی ہے، موصوف نے اسی پس منظر میں یہ اقدام کیا اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے تحقیق و کاوش کے سلسلہ میں انسانی بساط کے مطابق بھرپور سعی کی، خوبی یہ ہے کہ انہوں نے اصولی ابحاث پر انحصار کیا ہے اور اس سلسلہ میں بخاری و مسلم جیسی صحیح ترین کُتب احادیث پر زیادہ مدار رکھا ہے - کتاب میں ایک تو مقدمہ ہے جس میں امت مسلمہ کو اس کے حقیقی مقام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے تو حصہ اول حضرات خلفائے راشدین (سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے انتخاب پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو امت مسلمہ کے لئے معیاری دور ہے - حصہ دوم میں خلافت عادلہ کے اہم رکن مشورہ اور اس کے متعلقات پر تفصیلی بحث ہے اور اس ضمن میں انہوں نے دورِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کی بعض مجلس شوریٰ کی کارروائیوں کو بھی نقل کیا ہے - تیسرا حصہ خلافت و جمہوریت کے تقابلی مطالعہ پر مشتمل ہے جس میں بعض ابحاث بڑی دقیق ہیں اور موجودہ دور کے جمہوری سسٹم اور اس کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے - اُمید ہے کہ اس کتاب کا دلچسپی سے مطالعہ

کیا جائے گا۔

قوالی قرآن وسنت اور صلحاء امت کی نظر میں

تصنیف : قاری عبدالمجید بن سردار خان قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کا پتہ : سنی پبلیکیشنز الوھاب مارکیٹ اُردو بازار لاہور

قوالی اس دور کی ایک معروف بدعت ہے جس کا ہمارے یہاں بہت رواج ہو چکا ہے۔ اس رواج میں جہاں عوام کی جہالت اور خوش عقیدگی کا افراطی جذبہ ایک موثر سبب ہے وہاں کوتاہ اندیش اور سنت رسول کے نور سے محروم پیروں اور نام نہاد علماء کا بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ عشقیہ انداز کی غزلیں اور ایسے اشعار جن کی زد عقیدہ اور عمل پر پڑتی ہے، انہیں طبلے کی تھاپ پر وہ لوگ گاتے ہیں جنکی زندگی میں دینی اعمال کا نام تک نہیں ہوتا۔ لوگ ان پر پیسے لٹاتے اور داد دیتے ہیں اور اس قسم کی محافل بالعموم ان حضرات کے مزارات پر منعقد ہوتی ہیں جنکی زندگیاں دین اسلام کی تبلیغ پر گذریں لیکن اب ان کے مزارات زاغوں کے تصرف میں ہیں اور زاغوں کا حال یہ ہے کہ وہ لقمہ ہائے حرام سے پیٹ بھرنے کی غرض سے ان مزارات کو بُری طرح استعمال کر رہے ہیں، ایک ایک مزار کے لئے کئی کئی کنال کا رقبہ، قبر پر عمارتیں اور قبے، پھر چادریں چڑھانا، اگربتی اور عود سلگانا اور کیا کیا حرکات شنیعہ ہیں جو وہاں نہیں ہوتیں اور پھر قوالی کا مکروہ عمل اس پر مستزاد۔

بدقسمتی یہ ہے کہ سادہ لوح عوام کو باور کرایا جاتا ہے کہ صلحاء امت ایسا کرتے رہے حالانکہ صالح ہے وہ جو سنت کا عامل ہے اور کوئی سنت کا عامل ایسی خرافات نہیں کر سکتا۔ محترم قاری عبدالمجید صاحب مستحق تبریک ہیں کہ انہوں نے اس مسئلہ پر ٹھوس مواد فراہم کیا اور اسکی اشاعت کا اہتمام سُنی پبلیکیشنز نے کیا نہایت احسن طریق سے چھپی ہوئی یہ کتاب تبلیغی مقاصد کے لئے وسیع پیمانے پر تقسیم ہونے کے قابل ہے امید ہے کہ اہل خیر بھرپور توجہ کریں گے۔

پرائم

پرائم

Prime

Prime

Prime

پرائم ڈیریز لمیٹڈ لاہور

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 4 | AUGUST 1985 | No. 6

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

سلام کی نشاۃِ ثانیہ ——— اور ——— غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ